فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

محرم الحرام ۱۴۱۰ھ تا صفر ۱۴۱۱ھ جلد ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء تا ستمبر ۱۹۹۰ء

مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ وار ان صفحات کے حوالے سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوتے ہیں یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لی جائے — مدیر

نقش آغاز ادار یہ مدیر

قرآنیات

عبادات، احادیث نبوی، سنت رسول اور سیرت مطہرہ

تصوف و سلوک۔ اور دعوات عبدیت حق

جہاد افغانستان

تردید فرق باطلہ، قادیانیت، شیعیت، آغاخانیت اور لادین مغربی سیاست

اسلامی نظام حکومت، فقہ اسلامی، دین و سیاست

تعلیم وتربیت، تعلیمی ادارے، نصاب و نظام تعلیم

بحث وتحقیق، سائنس، معاشیات

عالم اسلام اور مسائل ومشکلات

تاریخ وسیر وسیاحت

شخصیات

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۵
شمارہ ۱۲

صفر ۱۴۱۱ھ
ستمبر ۱۹۹۰ء

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

٭ انتخابات ۱۹۹۰ء ۔ قومی شعور کی آزمائش

٭ ۔ نگران حکومت کا اصولی موقف سے انحراف

٭ ۔ مولانا محمد ہارون کی رحلت۔ کمانڈر محمد اسماعیل کی شہادت

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات کے انعقاد میں اب محض چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ اہل پاکستان کو امور مملکت میں شرکت کے لیے اپنے نمائندوں کے انتخاب کا یہ موقع وطن عزیز کی تاریخ میں چوتھی بار حاصل ہو رہا ہے۔ قیام پاکستان کے ۲۳ برس بعد ۱۹۷۰ میں قومی سطح پر اپنے نمائندوں کے چناؤ کا موقع پہلی بار ملا تھا مگر افسوس! کہ اس آزمائش میں ہم پورے نہ اتر سکے۔ ہمارے ووٹوں سے ایسے لوگ ہماری نمائندگی کے منصب پر فائز ہوئے جنہوں نے ملک کو اپنی ہوس اقتدار اور خود غرضیوں کی بھینٹ چڑھا دیا، آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی۔ خانہ جنگی کا بازار گرم ہوا۔ ملک کے آدھے اور عظیم تر حصے کو کاٹ پھینکا گیا۔ معاشرے میں دھونس، دھاندلی، دھوکے اور بے حیائی کا چلن عام ہوا۔ کارخانوں پر تالے پڑے، مزدوروں پر گولیاں چلیں۔ ترنگا جھنڈا لہرا کہ ہر طرح کی قانون شکنی کا اذن عام ملا۔ وابستگان دربار کی سرپرستی میں گلی گلی جرائم کے اڈے کھل گئے۔ تعلیمی ادارے تاراج ہوئے، ملازمتوں میں اہلیت کے بجائے پارٹی وابستگی کو ترجیح حاصل ہوئی، مصلحین باغی قرار پائے۔ فسطائیت کے بدترین مظاہرے ہوئے مخالف سیاسی رہنما اور عوامی نمائندے جیلوں میں شرمناک تشدد اور رسواکن سلوک کا نشانہ بنے۔ سیاسی قتل روز کا معمول بن گئے۔ پارلیمنٹ میں ننھی سی اپوزیشن کی نحیف آواز بھی طبع نازک پر گراں گذرنے لگی۔ حزب اختلاف کے سیاسی رہنما اور علماء مسلح گارڈ کے ذریعے اسمبلی ہال سے اٹھوا کر باہر پھینکوائے جاتے رہے۔ تعلیم گاہیں مقتل بنیں، قوم کی بیٹیاں دن دہاڑے سڑکوں سے اٹھائی جانے اور گورنر ہاؤس سے برآمد ہونے لگیں۔ صحافت پابہ زنجیر بن گئی۔ عقوبت گاہیں اور تعذیب گھر ستم رسیدوں کی فریادوں سے گونج اٹھے۔ بالآخر مظلوموں کی آہیں قہر خداوندی کو جوش میں لانے کا سبب بنیں۔ پسنے والے مظلوموں کو ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حوصلہ عطا ہوا۔ تمام سیاسی رہنماؤں کو "نظام مصطفےٰ" کی چھتری تلے پناہ ملی۔ مولانا مفتی محمود مرحوم کی قیادت پر سب متفق ہوئے۔ خالص دینی اور مذہبی قیادت اور مسلمانوں میں تحریک نظام مصطفےٰ کی کامیابی کی صورت میں نفاذ شریعت کی قطعی توقعات کے پیش نظر جذبہ جہاد ایسا ابھرا کہ نہتے عوام تنی ہوئی سنگینوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور گولیوں کی بوچھاڑ

کے مقابلے میں فولادی چٹان بن گئے۔ بالآخر ظلم کی یہ رات ختم ہوئی۔ اس دورِ ظلمت کی تباہ کاریوں کے اثرات اور نتائج قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

یہ باتیں کچھ پرانی نہ تھیں ہم سب کے آنکھوں دیکھے واقعات ہیں۔ یہ سب کچھ سیاسی قائدین اور خود ہمارے اوپر بیتا ہے۔ قوم کے فرد فرد کے حافظے میں یہ ساری داستان ابھی محفوظ تھی کہ ۸۸ء کے الیکشن کے نتیجے میں کچھ قومی شعور کی بے حسی، کچھ بعض دینی حلقوں کی سیاسی غلطیوں اور کچھ عوام کی غفلت و لاپرواہیوں اور زیادہ تر قومی اور اجتماعی نوعیت کے گناہوں کا ثمرہ تھا کہ ہم لوگ ریورس گیر لگا کر اس مقام پر جا پہنچے جہاں سے ۷۷ء میں گلوخلاصی کے لئے قوم نے عظیم قربانیاں دے کر جبر و استبداد کی تاریک رات سے نجات حاصل کی تھی۔
فسطائیت کے وہی اعمال، جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی وہی داستان پھر رقم ہونے لگی جس کا آغاز بھٹو مرحوم نے کیا تھا بلکہ بیٹی کا دورِ حکومت، باپ کے دورِ اقتدار سے کئی لحاظ سے بدتر تھا سب سے بڑھ کر یہ کہ، اسلامی احکام، قرآنی تعلیمات، قطعی نصوص، شرعی سزاؤں اور نبوی تعلیمات کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جانے لگا۔ سابقہ حکومت کی تمام مشینری اور پیپلز پارٹی اپنے آقاؤں اور رہمکاروں سمیت خم ٹھونک کر "شریعت بل" کے مقابلے میں آگئی —— اب کے بار بھی دینی حلقوں، مذہبی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کو بالآخر "شریعت بل" کی چھتری تلے آئے بغیر کوئی دوسرا چارہ نہ رہا۔
چنانچہ مولانا سمیع الحق کی دعوت پر آل پارٹیز شریعت کانفرنس کے انعقاد کے بعد ان ہی کی رہنمائی اور قیادت میں تحریک نفاذ شریعت کا آغاز ہوا۔ بیرونی طاقتوں کو تحریک کا ہدف بہت جلد کامیاب ہوتا نظر آیا لہٰذا اسمبلیاں توڑ دیں کہ شریعت بل کو ڈائنامیٹ کر دینے کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ۶ سال کا گذشتہ عہدِ ستم اور ۲۰ ماہ کا حالیہ دورِ استبداد کس گناہ کی پاداش اور کس غلطی کے نتیجے میں ہم پر مسلط ہوا تھا۔ اس کا سیدھا سادا جواب یہی ہے کہ گذشتہ ادوار میں قوم کو اپنے نمائندوں کے انتخاب کے جو مواقع ملے تھے ان کا وہ صحیح استعمال نہ کر سکی۔ رائے دہندگان کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے سے قاصر رہے کردار کے بجائے گفتار اور عمل کے بجائے دعووں کے فریب میں آگئے۔
ملک گیر تنظیم اور قومی و ملی مزاج اور ملک کے نظریاتی اساس کے تحفظ کا منشور رکھنے والی جماعتوں کو نظر انداز کر کے فسطائیت کے علمبرداروں کے سر پر اقتدار کا تاج سجا بیٹھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے لوگ سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے جنہوں نے اپنے دورِ حکومت کا ایک ایک لمحہ اہل وطن کے لئے جہنم بنا دیا۔

اسی تناظر میں دیکھا جائے تو اب سے چند روز بعد ۲۴ اور ۲۷ اکتوبر کو ہونے والے انتخابات ایک بار پھر ہمارے قومی شعور کی نہایت کڑی آزمائش ہیں مستقبل کے کئی برسوں کے ایک ایک لمحے کا انحصار ان انتخابات میں قوم کی جانب سے سامنے آنے والے فیصلے پر ہوگا۔ یہ موقع سیاسی جماعتوں بالخصوص دینی مذہبی اور اسلام پسند قائدین، حکومت اور عام ووٹروں سمیت پوری قوم کا نہایت کڑا اور نازک امتحان ہے۔

الف۔ ان انتخابات میں سیاسی پارٹیاں بالخصوص مذہبی و دینی اور اسلام پسند جماعتیں جس آزمائش سے دوچار ہیں اس میں کامیابی کی راہ ان کے لئے صرف یہی ہے کہ وہ اپنی اجتماعی قوت کو منفی، خالص گروہی اور ملکی مفاد سے بالاتر صرف جماعتی مقاصد کے بجائے مثبت اور قومی و ملی اور خالص دینی مقاصد کے لئے استعمال کریں ایسی انتخابی حکمت عملی سے گریز کیا جائے جس سے کسی بھی اسلام پسند قوت کا نقصان ہو اور براہِ راست فسطائیت کے کسی بھی علمبردار کے لئے کامیابی کی راہ ہموار ہو۔

ب۔ یہ انتخابات خود حکومت کے لئے بھی ایک کڑی آزمائش ہیں حکومت کا امتحان یہ ہے کہ وہ کس حد تک اپنے وعدوں کے مطابق آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے میں کامیاب ہوتی ہے اس کے فیصلے، اقدامات اور انتظامات کہاں تک انتخاب کے اعتبار کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں انتخابات کو ہر طرح کی بدعنوانی سے پاک رکھنا حکومت کا ایسا فریضہ ہے جس پر ملک کے پورے مستقبل کا دارومدار ہے اس موقعہ پر معمولی سی لغزش سے بھی پورا انتخابی عمل مشتبہ قرار پا سکتا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ دستور میں دیئے گئے اہلیت سے متعلق شرائط اور اصولوں کو ترک و پامال کرنا خود اپنی مشکلات میں خاصا اضافہ کرنا ہے۔ ملکی دستور میں امیدواروں کے لئے سیرت و کردار اور نظریاتی شناخت کے سلسلہ میں جن شرائط کو لازمی قرار دیا گیا ہے ان کی تکمیل کا اہتمام تو کجا؟ ان کو یک لخت فراموش بلکہ معدوم کر دینے کو قومی اور ملی اقدار سے استہزاء اور تضحیک کے سوا اسے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ایسی صورتِ حال میں حکومت کی آزمائش دو بنیادی ذمہ داریوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے ایک امن و امان کا اہتمام و استقرار اور دوسرے ہر نوعیت کے دھاندلیوں کا مکمل سدّباب۔

ج۔ ان انتخابات میں بھی تیسری اور اہم ترین آزمائش ملک بھر کے ان کم و بیش پانچ کروڑ رائے دہندگان کی ہے جن کے نام انتخابی فہرستوں میں درج ہیں ملک کا مستقبل عملاً ان کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۹۷۰ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۸ء میں رائے دہندگان نے جو فیصلے کئے تھے بعد کے عرصہ ۷۰ سے ۹۰ تک مسلسل ۲۰ برسوں کا ایک ایک لمحہ

ان فیصلوں سے متاثر ہوا اور اب ۲۴ اور ۲۷ اکتوبر کو رائے دہندگان جو فیصلہ کریں گے جیسے نمائندے منتخب کریں گے ہمارے مستقبل کا سارا انحصار اسی پہ ہو گا اس لئے ان انتخابات کو غیر اہم اور غیر سنجیدہ معاملہ سمجھ کر ان سے لاتعلقی کا رویہ اختیار کئے رکھنا، پوری قوم اور اس کے ایک ایک فرد کے لئے نہایت خطرناک اور سنگین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ ایک اسلامی مملکت کے شہری کے لئے الیکشن میں ووٹ دینا محض ایک سیاسی عمل نہیں بلکہ ایک دینی فریضے کی ادائیگی اور قرآن کے اس حکم کی تعمیل ہے ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو جو امانتوں کا حق ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اب ظاہر ہے کہ ملک کے تمام وسائل و ذرائع اور حکمرانی جیسے اہم ترین مناصب سپرد کرنے کے معاملے میں، اسلامی مملکت کے ایک مسلمان شہری کا لاتعلق رہنا کس قدر سنگین جرم ہو سکتا ہے۔

ہم خود کو لاتعلق رکھ کر ایک دن کی زحمت سے تو بچ سکتے ہیں لیکن اس ایک دن میں ہونے والے اہم فیصلے کے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ جو برسوں کے لئے ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کو اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

ووٹ کا استعمال درحقیقت فریضہ شہادت حق کی ادائیگی ہے جو حق کا ساتھ نہ دے گا وہ لازماً باطل کا مددگار ہو گا۔ خیر کے مغلوب اور شر کے غالب ہونے کا ذریعہ بنے گا۔ ووٹ مقدس امانت ہی نہیں ایک مؤثر قوت بھی ہے اور یہ مستقبل کے حکمرانوں کا تقرر نامہ ہے ملک بھر میں ووٹروں کے سامنے ہر حلقے میں کئی کئی امیدوار موجود ہیں۔ کسی امیدوار کے حق میں رائے دینے کی مختلف بنیادیں ہو سکتی ہیں۔ برادری قبیلے، علاقے، زبان اور مسلک و عقائد کے رشتے ہمارے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

لیکن اللہ و رسول ﷺ سے وفاداری، اخلاقی ذمہ داریوں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ملک و قوم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ووٹر تمام تعلقات اور وابستگیوں سے بالاتر ہو کر یہ دیکھے کہ اس کے سامنے موجود امیدواروں میں سے اپنے کردار، تقویٰ، خدا ترسی اور اہلیت کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ پھر جسے وہ اپنی ضمیر کی آواز کے مطابق بہتر سمجھے اس کے حق میں اپنی رائے استعمال کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

"جس نے مسلمانوں کی کسی بھی چیز پر کسی ایسے شخص کو والی اور حاکم بنا دیا جس سے بہتر فرد موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی"

نگراں حکومت کا اصولی مؤقف سے انحراف

انتخابات اور مستقبل کی نئی حکومت کی تشکیل کے حساس مرحلہ میں نگراں حکومت بھی سیاسی قوت کی فراہمی کی خاطر جو چالیں چل رہی ہے اس سے خود حکومت کی سیاسی اہلیت کے تاثر اور اس کے ذاتی وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اگر اس مزاج اور کردار کے وڈیروں اور سرمایہ داروں اور پیپلز پارٹی کی ذہنیت کے سیاست کاروں کا مزید حصار قبول کیا جاتا رہا تو قوم کو مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اگر نگراں حکومت، ارباب اقتدار کو شکار کھلانے والے پیشہ ور ابن الوقتوں کو وزارتیں بانٹتے، انہیں سرکاری خرچ پر پرانے یا نئے گروپ تشکیل دینے کے ٹھیکے دیتے اور ان کی انتخابی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی نظر آئے گی تو احتساب میں عدل و انصاف کا بھی خدا حافظ۔

اگر عوام نے نگراں حکومت سے نفاذ شریعت (محض خوش فہمی) حقیقی جمہوریت کے فروغ، منصفانہ و غیر جانبدارانہ انتخابات اور پرامن انتقال اقتدار کے توقعات وابستہ کی ہوئی ہیں تو کیا یہ توقعات غلام مصطفےٰ کھر عابدہ حسین، قاضی عبدالمجید، صلاح الدین، شہزادہ گستاسپ، جام علی صادق جیسے اصحاب کے ذریعے پورے ہوں گے۔ اگر ان لوگوں کے ذریعہ نفاذ اسلام یا قوم و ملک کی خدمت ممکن ہوتی تو ۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ، ۸۵ء کا نفاذ شریعت بل، متحدہ شریعت محاذ، ۸۹ء کی متحدہ علماء کونسل اور ۹۰ء کی تحریک نفاذ شریعت چلانے کی نوبت ہی کیوں آتی۔ ملکی استحکام اور سالمیت اور نظریاتی اساس کے تحفظ کے لئے نگراں حکومت کا یہی وہ سیاسی ہوم ورک ہے جو پیپلز پارٹی کے پٹے ہوئے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی پیش رفت کی صورت میں سامنے لایا جا رہا ہے۔ امیدواروں کی اخلاقی اہلیت کے تعین کے لئے کچھ معیارات بھی دستور میں متعین ہیں مگر اس کے باوجود ماضی کے اعمال کی روشنی میں دستور ہی کے طے کردہ ان عناصر کی سابقہ نااہلیوں کے لئے استثنیٰ کی راہیں پیدا کی جا رہی ہیں جنہیں خود صدر نے سنگین جرائم، قومی و ملی گناہ اور بدترین بداعمالیوں کی دستاویزی شہادتوں کی بنیاد پر نااہل قرار دیا تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ انفرادی استثنیٰ کے چور دروازے کھولنے کے بجائے حکومت اصولی مؤقف اختیار کرے۔ اصولی مؤقف سے روگردانی کی گئی تو خود غرضانہ اور اقتدار پرستانہ سودے بازی کے الزام سے مفر نہیں ہوگا۔ اصولی مؤقف ہی حکمرانوں کو راستی، عدل، یکسانیت کے صراط مستقیم پر جادہ پیما رکھتا ہے۔ مصلحت و منفعت اور غرض مندی و مطلب برآری والے مؤقف ہمیشہ ناکامی کا سبب بنا کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں بھرپور حصہ لینا چاہئے البتہ انہیں جمہوری آداب اور ملی و نظریاتی تقاضوں کا پابند ضرور کیا جانا چاہئے۔ بے امتیاز، یکساں اور اصولی مؤقف کے ساتھ پیش رفت نگراں حکومت سمیت

صدر کے سیاسی مستقبل کو محفوظ کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ بصورت دیگر احتساب کے نام سے عدل و انصاف کا استہزا ہوگا اور انتخاب کے نام سے غیر منصفانہ روایات کا فروغ! ایسے رویہ اور حد درجہ گھٹیا اور نامناسب طریق کار کے پیش نظر یہ اندیشہ اور خطرہ رد نہیں کیا جاسکتا کہ مملکت کا مستقبل ماضی سے زیادہ خطرناک اور بھیانک ہو۔ ولا فعلها الله۔

مولانا محمد ہاروت صاحب استاذ دار العلوم کا سانحہ ارتحال

دار العلوم کے ایک قدیم جید اور متبحر عالم دین بزرگ استاذ حضرت العلامہ مولانا محمد ہاروت سواتی چھ سال سے مسلسل علالت کے بعد بالآخر گذشتہ ماہ اس دار فانی سے منہ موڑ گئے۔ اور واصل بحق ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی ولادت موضع تاردگے تحصیل خوازہ خیلہ ضلع سوات میں ہوئی۔ ابتدائی تحصیل علم چکیسر کے مولانا عبد القادر صاحب مرحوم، مولانا محمد نذیر صاحب حق اور دیگر اساتذہ سے کی۔ کچھ سوات کے اخان بابا مولانا عبد المنان جن کا کافیہ پر حاشیہ منانیہ ہے سے علم حاصل کیا۔ سات برس سیدو سوات کے مدرسہ حقانیہ میں علامہ مارتونگ صاحب اور مولانا عبد الحلیم اوڈری گرام شارح مطول اور دیگر اساتذہ سے علوم عقلیہ حاصل کئے ۱۳۷۵ھ میں دار العلوم حقانیہ آکر شیخ الحدیث مولانا عبد الحق نور اللہ مرقدہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ فضلاء میں آپ کا نمبر ۶۸ ہے۔ گویا سابقین میں سے ہیں۔ پھر مردان اور شمس آباد اٹک میں پڑھاتے رہے۔ شوال ۱۳۷۶ھ سے دار العلوم حقانیہ میں مدرس ہوئے۔ اور سن علالت ۱۴۰۴ھ مسلسل ۳۱ برس تک یہاں اعلیٰ کتابوں کی تدریس میں مشغول رہے۔ مرحوم نے اپنی ساری زندگی نہایت خاموشی مگر تندہی لگن اور خلوص و محبت کے ساتھ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس میں گذاری، دار العلوم حقانیہ کے اولین فضلاء اور اولین مدرسین سے تھے۔

آغاز میں مرحوم کی تقرری ۳۰ روپے مشاہرہ سے ہوئی حسبۃً للہ یا برائے نام تنخواہ پر زہد و قناعت اور جانفشانی و یکسوئی کے ساتھ دار العلوم کے شجرۂ طوبیٰ کی آبیاری کرتے رہے۔ گذشتہ پانچ چھ سال سے ذاتی عوارض اور بیماری کی وجہ سے اپنے آبائی گاؤں خوازہ خیلہ چلے گئے۔ اور تا دم واپسیں وہیں رہے۔ ایک خاموش عابد اور زاہد عالم اور جید مدرس کی وفات عمومی صدمہ ہونے کے علاوہ دار العلوم اور حقانی برادری کے لئے تو خصوصی طور پر موجب رنج ہے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ عطا فرماوے اور ان کے علمی خدمات اور ہزاروں تلامذہ کی صورت میں صدقہ جاریہ ہمیشہ پھلتا اور پھولتا رہے۔ آمین

برد اللہ مضجعہ و نور اللہ ضریحہ و انزل علیہ شآبیب رحمتہ

مولانا جلال الدین حقانی کے مجاہد بھائی مولانا محمد اسمٰعیل کی شہادت

گذشتہ ماہ جہاد افغانستان پکتیا محاذ کے معروف جرنیل مولانا جلال الدین حقانی کے بھائی کمانڈر محمد اسمعیل صاحب معرکہ جہاد میں زبردست سرفروشی اور قربانی اور بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مطلوب و محبوب "شہادت" کے حصول میں کامیاب ہوگئے۔ اور وصالِ حقیقی سے سرشار اور سرفراز ہوئے۔ مرحوم بھی اپنے بھائی کی طرح بہادر، نڈر، جذبۂ جہاد سے سرشار اور ہر محاذ پر قائدانہ کردار کے حامل رہے۔ اپنے بھائی کی معاونت میں اطاعت اور وفاداری کا ایک نمونہ تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح اور مرکز علم دارالعلوم حقانیہ سے عشق اور گرویدگی کی حد تک تعلق تھا۔ فرماتے، جہاد میں جب بھی کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح کی خواب میں زیارت، و ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ ہماری ڈھارس بندھ جاتی اور یقین ہوتا کہ پیش آمدہ مہم میں ہدف صحیح اور کامیابی یقینی ہے۔ اور پھر عملاً ایسا ہی ہوتا۔ مرحوم کی نماز جنازہ میراں شاہ میں ہوئی۔

مولانا حافظ انوار الحق اور دارالعلوم کے اکابر اساتذہ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ مرحوم کی وفات سے اگرچہ مولانا جلال الدین اور تحریک مزاحمت ایک نڈر سپاہی اور جرنیل سے محروم ہوگئے۔ مگر وہ اپنے رفقاء و مجاہدین کے لئے نشان راہ ہوگئے۔ اللھم ارض عنہ وارفع درجتہ آمین۔

دارالعلوم اپنے روحانی فرزند مولانا جلال الدین حقانی اور افغان مجاہدین کے ساتھ اس صدمے میں برابر کا شریک اور اسے اپنا عظیم سانحہ سمجھتا ہے۔ باری تعالیٰ مرحوم کو بے مثال قربانی پر اجر جزیل عطا فرماوے۔ اور شہید کے خون شہادت کے صدقے گلشن اسلام کو دشمن کے تاخت و تاراج سے محفوظ رکھے۔

(عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

اسلامی سیاست کے انقلابی خدوخال سیرت نبویؐ کی روشنی میں

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل رتبہ ومقام آپ کا خاتم الانبیاء اور پیغمبر عالم ہونا ہے سیاست وحکومت اس مرتبۂ بلند کا ایک شعبہ ہے۔ حضورؐ صرف نبی ہی نہ تھے خاتم الانبیاء اور امام المرسل تھے۔ صرف اہل عرب کے لئے نہیں تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے۔ حضورؐ رہبانیت کے داعی بن کر نہیں آئے۔ بلکہ ایسا دین لائے جو روح وجسم دونوں پر حاوی اور دنیا وآخرت دونوں کی حسنات کا ضامن ہے۔ یہ حضورؐ ہی کی تعلیمات ہدایات اور نظام اسلام کے ثمرات ہیں کہ اس میں عبادت کے ساتھ سیاست اور درویشی کے ساتھ حکمرانی کا اتفاقی جوڑ نہیں بلکہ یہ اس کی عین فطرت ہے۔ ہمارے نبیؐ سے بڑا مدبر، سیاست دان اور حکمران اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر سیاست و حکومت آپؐ کا اصل کمال نہیں بلکہ آپ کے فضائل وکمالات کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ ہم نے عالم اسلام بالخصوص ملک کی تازہ ترین سیاسی صورت حال کے پیش نظر خالص اسلامی سیاست کے خدوخال حضورؐ کی سیرت کی روشنی میں اجاگر کرنے کی سعی کی ہے خدا کرے کہ واقعۃً بھی اس سے قوم ملت کے کھیون ہار کوئی فائدہ حاصل کرسکیں۔ (عبدالقیوم حقانی)

اسلام ہماری انفرادی زندگی کی طرح اجتماعی زندگی کا دین بھی ہے عبادت کے طریقوں کی طرح سیاست آئین، تعلق مسجد کی طرح تعلقِ حکومت، تزکیۂ نفس اور تعلیم اخلاق کی طرح احکامِ شریعت کی عملی ترویج وتنفیذ بھی اس کے بنیادی اہداف ہیں۔

عرب قوم جو وحدت اور مرکزیت سے ناآشنا، جنگجو اور باہم نبرد آزما تھی اتحاد وتنظیم، شعور وقومیت اور حکم واطاعت ان کے اندر یکسر مفقود، بدویانہ [illegible] اور تاراج پسندی ان کا مزاج بن گیا تھا۔

مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل ترین مدت میں خالص اسلامی طرز سیاست کی بنیاد پر
پوری قوم کو نہ صرف یہ کہ بنیانِ مرصوص بنا دیا بلکہ صدیوں کے پرورش پانے والے اسبابِ نزاع واختلاف بھی ختم
کر دئے۔ ظاہری وحدت کے ساتھ باطنی عقائد ونظریات میں ہم آہنگی، پوری انسانیت کے لئے اتحاد وتنظیم کا ایک
نمونہ وپیغام اور شتربانی کے مقام سے واقعات کی دنیا میں جہاں بانی کے مقام تک پہنچا دیا۔ حضورؐ ہی کی تربیت
یافتہ قوم نے بلا استثنا، دنیا کی ساری ہی قوموں کو سیاست اور جہاں بانی کا درس دیا۔

اسلامی سیاست کی ترویج اور انسانیت کی وحدت کی تشکیل میں نبوی سیاسی طریق کار یہ تھا کہ آپؐ نے
نہ تو موجودہ عالمی طرز سیاست کی طرح قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ قومی
حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا اور نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا اور نہ کسی بڑے (واقعی یا فرضی)
دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔

آج دنیا میں جتنے بھی ممالک ہیں چھوٹے بڑے یا جتنے بھی مدبر اور سیاست دان ہیں سب اپنے مقاصد
کے حصول اور سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہی محرکات سے کام لے رہے ہیں۔ مگر حضورؐ نے ان چیزوں سے
کوئی فائدہ حاصل کرنے کے بجائے انہیں ایک فتنہ قرار دیا اور اپنے عمل سے اس کی کامیاب بیخ کنی فرمائی
اور اس کے مقابلے میں امت کو صرف خدا کی بندگی واطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل وانصاف
اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات کو جگایا۔ ان پاکیزہ اور اعلیٰ محرکات اور مساعی جمیلہ سے ایک
بہترین امت ظہور میں آئی۔ جسے قرآن میں "خیر امت" قرار دیا گیا۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی سیاست کا ایک اہم اور امتیازی پہلو یہ تھا کہ آپ جن اصولوں کے داعی
بن کر اٹھے وہ اصول فرد ومعاشرہ اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے لیکن آپؐ نے اپنے اصولوں کے مقابلہ
میں کبھی بھی دوست دشمن کا فرق کئے بغیر کوئی لچک قبول نہیں فرمائی۔ سختی، مصیبت یا کسی بھی ابتلاء سے دب
کر کسی بھی اصول کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ کرنا گوارا نہ فرمایا۔ کوئی پیش کش، کوئی لالچ اور کوئی چیلنج آپ کو اپنے
کسی بھی موقف سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاست کاروں، مدبروں اور
رہنماؤں اور کسی بھی ایسے سیاستدان کا آپ نشان نہیں بتا سکتے جو اپنے چند اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے
میں اتنا مضبوط اور غیر متزلزل ثابت ہو سکا ہو۔ مگر حضورؐ نے پورے نظام زندگی کی تعمیر کی اور اپنے پیش
کردہ اصولوں کے لئے بھی اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دی۔ ہر طرح کے خطرات برداشت کئے نقصانات
گوارا فرمائے۔ اپنی جان، مال اور محبوبات کی قربانی دی۔ مگر پوری زندگی میں یہ کہنے کی نوبت نہیں آئی کہ میں نے
دعوت تو دی تھی فلاں اصول کی مگر اب حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی جگہ فلاں بات

اس کے خلاف اختیار کر لی جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست پوری دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال تھی عبادت کی طرح آپ کی سیاست بھی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک تھی۔ مروجہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح اور مستحسن سمجھی جاتی ہیں۔ جو شخصی زندگی میں مکروہ، قبیح یا حرام ہوتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں ذاتی غرض کے لئے جھوٹ بولنا، چالبازیاں کرنا، عہد شکنیاں، فریب دہی، حقوق کا غصب معیوب قرار دیا جاتا ہے مگر جب ایک سیاستدان اجتماعی اور قومی زندگی میں ان تمام جرائم کا ارتکاب کرے تو وہ اس کے فضائل اور کمالات شمار ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضور اقدس ؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلہ میں ایک صاحب اقتدار اور بادشاہ کے جھوٹ کو کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ حضورؐ بھی ان تمام مراحل سے گذرے جن سے ایک مدبر اور سیاستدان کو گذرنا پڑتا ہے۔ آپؐ نے طویل عرصہ مظلومیت اور مہاجرت میں گذارا۔ اور اتنا ہی عرصہ اقتدار اور حکومت کا گذارا۔ حریفوں اور حلیفوں سے سیاسی قومی اور تجارتی معاہدے کئے۔ متعدد جنگیں لڑیں وفود سے ملاقاتیں، سیاستدانوں سے مذاکرات اور مختلف حکومتوں سے معاملات طے فرمائے مگر سب جانتے ہیں کہ آپؐ نے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی بات کہہ چکنے کے بعد انکار نہیں کیا دشمنوں کے ساتھ بدترین حالات میں بھی انصاف کیا۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود حضورؐ کو اپنی سیاست میں کبھی بھی ناکامی کا تجربہ نہیں ہوا۔

یہ خالص اسلامی سیاست، نبوی تعلیمات اور دیانت کا اعجاز تھا کہ عرب کے ہر گوشہ میں عدل وانصاف کی حکومت قائم ہوئی اپنے سے کئی گنا بڑی سیاسی طاقت کفار ومشرکین کا زور توڑا کہ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے فی الواقعہ گھٹنے ٹیک دیئے یہود بے بہبود کی سازشوں کا خاتمہ کیا۔ رومیوں کی سرکوبی کی مگر اس سب کچھ کے باوجود انسانی خون بہت کم بہا۔ انقلاب اسلامی کی عظمت اور وسعت کے باوجود ان نفوس کی تعداد چند سو سے زائد نہ ہوگی جو اس ساری جدوجہد کے دوران حضورؐ کے ساتھیوں میں سے شہید ہوئے یا مخالفین میں سے قتل ہوئے۔

ویت نام میں امریکی فوجوں، افغانستان میں روسی فوجوں اور بیت المقدس میں اسرائیلی فوجوں کا ظالمانہ وحشیانہ کردار اور دست درازیاں آپ کے سامنے ہیں مگر حضورؐ کے عظیم انقلاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی پوری زندگی اور انقلابی جدوجہد میں ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا جس میں کسی نے کسی کے ناموس پر دست درازی کی ہو۔

جناب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے اور سادہ طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے

خلافتِ الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کی جگہ خدمت اور محبت
سامنے رکھا جس میں دنیوی کروفر کے بجائے کا جمال تھا۔ مگر اس سادگی اور فقر و درویشی کے باوجود آپ کے دبدبے اور شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم و
شام کے بادشاہوں پر آپؐ کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

مروجہ سیاست میں جب سیاستدان، حکمران اور قائدینِ قوم، میدانِ سیاست میں قدم رکھتے ہیں تو
شان و طمطراق کو بھی سیاست کے لوازمات سے گردانتے ہیں۔ چلتے ہیں تو بہت سے لوگوں کو جلو میں لے کر چلتے
ہیں جلوسوں اور استقبالیوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ نعرے بلند کراتے ہیں، سپاسنامے لکھواتے ہیں۔ اپنی شان میں
قصیدے کہلواتے ہیں جب ترقی اور کامیابی حاصل ہوتی ہے تو قصر و ایوان آراستہ کراتے ہیں۔ سلامیاں دلواتے
اور بری و بحری اور ہوائی سواریوں اور پروٹوکول کا خاص اہتمام کراتے ہیں۔ مگر حضورؐ کی سیاست اس لحاظ سے
سب سے جدا، نرالی اور آسان تھی۔ آپؐ صحابؓ میں چلنے کوشش رہتی سب سے پیچھے چلیں۔ مجلس میں اس طرح گھل مل
کر بیٹھتے کہ امتیاز مشکل ہوتا۔ کھانا کھانے کے لئے دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے "میں اپنے رب کا غلام ہوں اور ایک
غلام کی طرح کھانا کھاتا ہوں" آپؐ کے لئے نہ تو کوئی خاص سواری تھی اور نہ خاص قصر و ایوان نہ خاص باڈی گارڈ
دربان کروفر والے پروٹوکول کا اہتمام، دن کو جو لباس ہوتا رات کو اسی میں استراحت فرماتے صبح کو اسی لباس میں
ملکی وفود اور دنیا بھر کے سفراء سے مسجد نبویؐ کے فرش پر ملاقاتیں فرماتے اور عالمی سیاست کے امور پر فیصلے فرماتے

آپؐ کے تدبر اور سیاست کا بنیادی ہدف رجال کار کی تربیت اور عالمی قیادت کے لئے ایک جماعت
کا تیار کرنا تھا جو آپ کے برپا کردہ انقلاب کو آپ ہی کے نہج پر آگے بڑھانے، مستحکم بنانے اور سیاسی و اجتماعی
زندگی میں اس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لئے ہر طرح اہل ہو۔ چنانچہ آپؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے
نظام اور انقلابی کام نے تین براعظموں میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں۔ انقلاب کی وسعت کے باوجود اس کی
قیادت کے لئے رجال کار کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

اسلامی سیاست اور نظام حکومت و اقتدار کا یہ اجمالی خاکہ اور ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تمام
قومی قائدین اور سیاست کار اپنا اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ کیا موجودہ دور میں ہمارے سیاسی رہنما حالیہ
فرسودہ طرزِ سیاست کو اس منہج پر لانے کے لئے بھی قدر فکر و تامل اور غور و تدبر کے لئے وقت نکال
سکیں گے؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ایک ہشت پہل ہیرا

مولانا آزاد میموریل اکیڈمی لکھنؤ کے زیر اہتمام ۴ مارچ ۱۹۹۰ء
کو گنا سنستھان آڈیٹوریم میں مولانا آزاد کی یاد میں صد سالہ جشن
منایا گیا۔ اس موقع پر مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ کے ہندی
ترجمہ اور مولانا آزاد کی سیرت و شخصیت پر مصر کے مشہور عالم اور
سابق وزیر قانون جمہوریہ مصر کی کتاب کے اردو ترجمہ کا اجراء ہوا
جشن میں مولانا آزاد کے فکر و ادب سے دلچسپی رکھنے والے عوام
صحافی عربی ملازین اور یونیورسٹی اساتذہ کے ساتھ گورنر اتر پردیش۔ محمد اعظم
وزیر محنت و اوقاف وغیرہ نے شرکت کی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی
حسنی ندوی مدظلہ نے صدارتی تقریر فرمائی جو شائع کی جا رہی ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

میں اپنی تقریر بسم اللہ سے شروع کر رہا ہوں جس کو مولانا آزاد نے بھی اپنی تفسیر سورہ فاتحہ کا سرنامہ بنایا ہے۔ اور یہ ایسا آغاز ہے کہ جس سے کسی کو انکار یا شکایت نہیں ہو سکتی۔

حضرات! مولانا آزاد کی شخصیت ایک ہشت پہل ہیرا تھی جس کے ایک ایک پہلو پر ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کا ایک سلسلہ اور ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ ادیب تھے، وہ خطیب تھے وہ بہت بڑے فاضل اسکالر تھے وہ مفسر قرآن تھے وہ قائد ہندوستان تھے۔ وہ مجاہد آزادی تھے۔ ان میں سے ان کا ہر پہلو ممتاز اور نمایاں ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں دنیا کے مختلف زبانوں کے ادیبوں کی کوئی فہرست بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کی جائے تو اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام ضرور شامل ہونا

چاہئے۔ بیسویں صدی عیسوی کے دنیا کے فاضل اسکالرز کی کوئی فہرست بڑی احتیاط اور چھان بین اور بڑی احساس ذمہ داری کے ساتھ بنائی جائے۔ تو وہ فہرست ان کے نام کے بغیر نامکمل رہے گی۔

اسی طریقے سے مجاہدین آزادی کی کوئی مختصر سے مختصر فہرست بنائی جائے تو اس میں اس کا نام شامل ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے میں اس دنیا کی چار عظیم زبانوں کی شدبد رکھتا ہوں اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے بہترین ادیبوں میں اہل قلم میں مولانا کا نام شمار ہے۔ اور اگر ان کی صف اول میں مولانا کو رکھا جائے تو کوئی مبالغہ یا ناانصافی نہیں ہوگی۔ اسی طریقے سے فضلاء کی فہرست، صحافیوں کی فہرست، مجاہدین آزادی کی فہرست بھی ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ لیکن میں آج جب کہ وقت زیادہ ہوچکا ہے اور آپ کے سامنے فاضلانہ تقریریں ہوچکی ہیں۔ ایک پہلو پر خاص طور سے آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔

ان کی زندگی کا اور ان کے کمالات کا ایک بہت ممتاز اور روشن ترین پہلو یہ ہے کہ انہوں نے چند صداقتوں چند حقیقتوں کا ادراک کرلیا اور پھر ان پر وہ سختی سے ثابت قدم رہے۔ یہ بات کہنے کو تو بہت آسان ہے اور میں نے بڑے ہلکے پھلکے اور روزمرہ کے لفظوں میں اس کو ادا کردیا ہے لیکن عملی زندگی میں اور خاص طور پر جنگ آزادی میں اور ملکوں کی تلاطم خیز زندگی میں جس میں بڑے بڑے امتحانات اور آزمائشیں پیش آتی ہیں اور بعض اوقات پہاڑ بھی جنبش میں آجاتے ہیں۔ دریاؤں کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ ہواؤں کے رخ تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے صاحب استقامت اور صاحب ضمیر انسان بھی کسی غلط محرک کی وجہ سے نہیں بلکہ بیشتر اوقات کسی صحیح مقصد سے ان صداقتوں کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ذرا سا سہی ان سے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن مولانا آزاد کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ انہوں نے پہلے دن سے کچھ صداقتوں، کچھ حقیقتوں کا ادراک کرلیا۔ وہ ان کے گرفت میں آگئیں۔ تو اس کے بعد وہ ان پر سختی سے جمے رہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں لیکن وہ نہیں ہلے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں علامہ اقبال کے دو شعر پڑھوں جو مولانا آزاد پر پورے طور سے صادق آتے ہیں۔ ویسے تو ان کا یہ شعر بہت پڑھا جاتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور یہ مولانا آزاد پر بالکل صادق ہے لیکن میں فارسی کے دو شعر پڑھوں گا ؎

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت سخن نازک تر از برگ سمن گفت

ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست
کہ خارے دید و احوال چمن گفت

سینکڑوں بڑے عقلا اور داناؤں نے ایسی باتیں کیں جو چمن کے شاداب پھولوں سے بھی نازک تر تھیں۔ لیکن مجھے اس شخص کا پتہ دو کہ جس نے ایک کانٹا دیکھا اور چمن کی داستان سنا دی۔

میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بہت کم ایسے لوگ رہ گئے ہیں جن کو مولانا آزاد سے اتنی ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا ہو اور ہم کلامی کا (مولانا ابو الکلام کے ساتھ ہم کلامی کا لفظ ایک خاص لذت و معنویت رکھتا ہے) ابو الکلام سے ہم کلامی کا شرف اتنی بار حاصل ہوا جتنی بار مجھے اس کا موقع ملا۔ ہمارے اس ملک سے وہ نسل تقریباً جا چکی ہے اور شاید چند لوگ ان میں سے باقی بچے ہوں جنہوں نے مولانا آزاد کو قریب سے دیکھا ہو ان کے ساتھ بیٹھے ہوں۔

مجھے ان سے دہلی میں، لکھنؤ میں، سری نگر میں اور قاہرہ میں ملنے کا اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا میں نے ان کی تقریریں سنی ہیں۔ ان کی تحریریں پڑھی ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کیا ہے اور میں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کی سب سے اہم اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس ہندوستان کے متعلق چند سچائیوں اور چند حقیقتوں کو سمجھ لیا۔ اور ان کے ذہن نے ان کو قبول کر لیا۔ تو انہوں نے ان کو اپنے ضمیر کا اپنے دماغ کا جزو بنا لیا۔ اور اپنی قلم اور اپنی زبان کو ان کا ترجمان بنا لیا۔ پھر وہ ذرہ برابر ان سے نہیں ہٹے۔ کہنے کو تو یہ بات بہت آسان ہے۔ لیکن ملک میں سیاست کی جو آندھیاں چلتی ہیں جو انقلابات آتے ہیں۔ جو نئے سیاسی نقشے سامنے آتے ہیں جو نئے نئے تجربات ہوتے ہیں۔ جو نئے نئے خطرے سامنے آتے ہیں وہ بڑے بڑے دیانتدار آدمی کو بھی دیانت داری کے ساتھ اپنے مسلک سے اپنے اس عقیدے سے ذرا سا ہٹنے یا بعض اوقات پورے طور پر ہٹ جانے کا جواز مہیا کرتے ہیں ان کو ہم نہ بددیانت کہہ سکتے ہیں نہ غدار کہہ سکتے ہیں۔ نہ ضمیر فروش کہہ سکتے ہیں نہ متلون مزاج کہہ سکتے ہیں۔ عالمی سیاست کی تاریخ میں بڑے بڑے صاحب استقامت اصولوں کے پکے اور قابل فخر افراد گذرے ہیں۔ جو اپنے ساتھ بڑی شاندار تاریخ رکھتے ہیں۔ جن کی صداقت پر، جن کی دیانتداری پر اور جن کی آزاد ضمیری اور جن کی صاف گوئی پر اور جن کے با اصول ہونے پر ذرا بھی حرف نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ان کو کسی نہ کسی مرحلہ پر اپنے اس موقف کو چھوڑنا پڑا۔ یا اس موقف سے ذرا سا ہٹنا پڑا۔ لیکن میں آج ان دانش مند حاضرین و سامعین کے سامنے اور تاریخ کو گواہ بنا کر اور یہ سمجھ کر کہ انسان جو کچھ کہتا ہے اس کا کوئی سننے والا بھی ہے اور اس کے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ

کہہ سکتا ہوں کہ مولانا آزاد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے اس موقف سے ذرا بھی نہیں ہٹے جس کو انہوں نے روز اول ہی سے سوچ سمجھ کر اختیار کیا تھا۔

انہوں نے پہلے ہی دن یہ سمجھ لیا تھا اور اس صداقت کو مان لیا کہ ملک کو آزاد ہونا چاہیے اور اس ملک کو جمہوری ہونا چاہیے۔ اس ملک کو لا مذہبی (سیکولر) ہونا چاہیے اس ملک کی آبادی کی تمام اکائیوں کو اور اس کی اقلیتوں کو اپنے تشخص کے ساتھ اپنی مخصوص تہذیب کے ساتھ اپنے مذہبی رسوم رسومات کے ساتھ اپنے عقیدے کے ساتھ، اپنی نئی نسل کو تعلیم دینے کی آزادی کے حق کے ساتھ اپنے مخصوص پرسنل لار کے ساتھ اس ملک میں رہنا چاہیے۔ ان حقیقتوں کو اور ان صداقتوں کو ان کے ذہن نے قبول کر لیا۔ انہوں نے قرآن مجید کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک نہایت ذہین، نہایت حقیقت شناس نہایت محنتی اور نہایت دیانت دار طالب علم کی حیثیت سے مذاہب عالم کی تاریخ کے ایک سکالر کی حیثیت سے صحف سماوی کے ایک مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے سیاسیات عالم کے ایک مبصر کی حیثیت سے اپنی نسل کے ایک ذہین ترین اور حساس ترین انسان کی حیثیت سے اس بات کو تسلیم کر لیا تو اس سے انہوں نے ایک نقطہ بھر بھی انحراف نہیں کیا۔ اس سے وہ ہٹے نہیں انہوں نے کبھی کسی بات سے سمجھوتہ نہیں کیا اس سے وہ ہٹے نہیں۔ انہوں نے کبھی کسی بات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ کہ ملک غیر آباد بھی رہ سکتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہندو مسلم اتحاد پر ان کو یقین تھا اور جیسے کہ ابھی مولانا آزاد کا یہ قول نقل کیا گیا کہ :۔

"اگر قطب مینار پر چڑھ کر کوئی یہ آواز دے کہ دو راستوں میں سے صرف ایک راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ یا تو یہ ملک آزاد ہو جائے یا ہندو مسلم اتحاد کا دامن چھوڑ دیا جائے۔ تو میں یہ قبول کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ملک آزاد نہ ہو لیکن ہندو مسلم اتحاد برقرار رہے"

اور مولانا آزاد زندگی بھر اس کو جزء جان بنائے رہے۔

میں بغیر کسی کے حق تلفی کے تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے اور ایک صاحب ضمیر انسان کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں۔ میرے دل میں سب کا احترام ہے اور مجھے خدا نے موقع دیا کہ میں نے پنڈت موتی لال نہرو سے لے کر پنڈت جواہر لال نہرو تک اور مولانا آزاد تک اور ان سے پہلے تحریک خلافت کے مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی ان سب کو دیکھا اور سنا اور یہی آپ کا شہر لکھنؤ ہے۔ یہیں گنگا پرشاد میموریل ہال میں میں نے سب سے پہلے مولانا آزاد کی زیارت کی تھی۔ میں نے ان کی تقریر سنی اور اسی جھنڈے والی پارک میں میں نے گاندھی جی کی بھی تقریر سنی۔ پنڈت موتی لال نہرو کی بھی

تقریر سنی میں سب کا احترام کرتا ہوں تاریخ میں سب کی جگہ ہے اور کسی کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اس پر کبھی کوئی دھبہ بھی ڈالے۔ لیکن میں ان سب کے احترام کے ساتھ یہ کہوں گا کہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنی ان صداقتوں پر اپنی ان مانی ہوئی حقیقتوں پر ہمالیہ پہاڑ کی طرح کوئی شخص جما رہا جس نے ذرا برابر بھی جنبش نہیں کی تو وہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔

آج آپ اندازہ نہیں کر سکتے ۴۷ء سے پہلے کی فضا شاید بہت سے لوگوں نے دیکھی نہ ہو اور دیکھی ہو تو ان کے ذہن میں محفوظ نہ ہو۔ کچھ عمر رسیدہ لوگ موجود ہیں جو اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اس بات کا اندازہ کر لیجیے کہ جب پاکستان کا نعرہ لگایا گیا۔ اس نعرہ میں بڑی کشش تھی۔ ایک مسلمان قومیت، ایک مسلمان نسل، مسلمانوں کے عقیدہ و مذہب اور ان کی شریعت اور قانون سے تعلق رکھنے والے انسان کے لئے یہ کتنے سخت امتحان کی آزمائش کی گھڑی تھی۔ اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ جن حالات میں وہ نعرہ لگایا گیا وہ بدگمانیوں کا زمانہ تھا۔ وہ شکایتوں کا زمانہ تھا۔ وہ رنجشوں کا زمانہ تھا۔ وہ تلخ تجربوں کا زمانہ تھا۔ جب کہ مسلمان دفتروں میں ناانصافی کی شکایت کرتے تھے۔ جب یہ نظر آ رہا تھا کہ اس ملک کی ساری خوبیوں کے باوجود ان کا تشخص محفوظ نہیں۔ اس کی ضمانت دینی مشکل ہے۔ اس وقت اس نعرہ میں کیا کشش تھی کیا جادو تھا۔ اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ لیکن مولانا آزاد کی شخصیت تھی کہ اس نعرے سے وہ ذرا متاثر نہیں ہوئے اور سختی کے ساتھ تقسیم ہند کی مخالفت کی۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں ان لوگوں سے جو اس سے سو فیصدی اتفاق نہ کر سکیں۔ لیکن مولانا آزاد نے اس سے نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ ان میں پوشیدہ خطروں کی طرف اشارے بھی کئے۔ آج میں جرأت کے ساتھ اور ذرا معذرت کے ساتھ یہ کہوں گا آج وہ خطرے حقیقت بن کر سامنے آ رہے ہیں۔ اس سے مولانا آزاد کی بصیرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ معصوم تھے ایک فیصدی ان سے غلطی نہیں ہوئی۔ میں ایک تنقیدی ذہن بھی رکھتا ہوں اور تاریخ کا طالب علم اور ایک چھوٹا سا مصنف بھی ہوں۔ میں نے تنقیدی کام بھی کئے ہیں میں خدا کے رسولؐ کے سوا کسی کو معصوم نہیں مانتا کہ اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن مولانا آزاد کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ شروع سے انہوں نے اپنے لئے جو مسلک اختیار کیا اور اس ملک کے لئے جس چیز کو مفید اور مناسب سمجھا اُس ملک کی بقا کا راز اس ملک کی عزت کا راز۔ اس ملک کی آزادی۔ اس ملک کی نیک نامی کا راز جس چیز میں سمجھا اس سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ رام گڑھ کے اجلاس کانگرس میں ان کے آخری خطبہ صدارت کا ایک اقتباس آپ کو پڑھ کر سناؤں جس سے میرے

اس بیان کی تصدیق ہوگی۔ جس سے ان کا ذہن آپ کے سامنے پورے طور پر آئے گا۔ میں مولانا آزاد کی زبان کہاں سے لانا، ان کا قلم کہاں سے لانا، ان کی بلاغت کہاں سے لانا تاکہ میں ان کے خیالات کو اس طریقہ سے ادا کر سکتا جیسا کہ ادا کرنا چاہیئے۔ اس لیے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے مسلک کو ان کے خیالات کو انہی کی زبان میں ادا کروں۔

آپ اس کو شروع سے آخر تک دیکھیں ان کی زبان کی شجاعت ان کی زبان کی صاف گوئی اس کے ساتھ ساتھ ان کا جو ذہنی توازن ہے اور مذہب اور آزادی دونوں کو جمع کرنے کی جو اللہ نے ان کو صلاحیت بخشی ہے اس کا جس طرح اظہار ہوا ہے اس کو آپ غور سے سنیں اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مولانا کانگرس کے اسٹیج سے کہہ رہے ہیں۔

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کے تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون اور اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور سیاسی و اجتماعی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ناگزیر عامل ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا"

یہ مولانا آزاد کی سچی تصویر ہے۔ جو انہوں نے اپنے قلم سے کھینچی ہے خود انہوں نے اس کی رہنمائی کی ہے۔ جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کی۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک تھا اس میں بصیرت کی گہرائی اس میں دماغ کی بلندی، اس میں قوت فکریہ کی صلاحیت اس میں مطالعہ کی وسعت اور اس میں ضمیر کی آزادی ساری چیزیں آ گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ جس چیز نے اس کو چار چاند لگائے وہ ان کی پختگی ان کی ثابت قدمی ہے کہ وہ اس سے ذرہ برابر بھی ہٹے نہیں۔ کوئی تاریخ کا طالب علم کتنے ہی وسعتوں اور تحقیقی طریقے پر، تنقیدی ذہن کے ساتھ مطالعہ کرے "الہلال" کا "البلاغ" کا "غبار خاطر" کا اور ان کی دوسری تحریروں کا اس میں کہیں سے انحراف نہیں پائے گا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جب اس ملک میں ایسے طوفان اٹھے ہے

تھے۔ اور ایسی آندھیاں چل رہی تھیں کہ اس وقت کسی شخص کا ایک ہی بات کا رٹ لگائے جانا ایک نقطے پر جمے رہنا جس کا انہوں نے اپنے لئے انتخاب کیا ہے جو لکیر اپنے لئے بنانی ہے سرحدی خط بنایا ہے اور جو واضح خط کھینچا ہے اس پر وہ کھڑا رہے۔ بعض اوقات دیانتداری کے ساتھ بھی ایسا کرنا سیاست کے خلاف ہوتا ہے اور آپ حضرات مجھ سے زیادہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ بعض مرتبہ دیانتداری کا بھی تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی ذرا سا اپنے مسلک سے ہٹ جائے اور اس میں لوچ پیدا کرے لیکن آپ اسے مولانا آزاد کی بے نظیر استقامت کہئے یا ان کی ذہنی پختگی سمجھئے یا ان کی فکر کا تقاضا کہئے مولانا آزاد واحد شخص ہیں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں جس نے کبھی اپنے مسلک سے ذرہ برابر بھی انحراف گوارا نہیں کیا۔ اور یہ وہ چیز ہے جو فخر سے ان کا سر اونچا کر دیتی ہے اور میں آپ کے سامنے صفائی سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس ملک کے لئے سب سے بہتر راستہ وہی ہے جس کی طرف مولانا آزاد نے رہنمائی کی۔

تحریک خلافت کے زمانے میں میں نے ہوش سنبھالا تحریک خلافت سے لے کر تحریک پاکستان تک اور پھر اس وقت تک ہندوستان میں جو مدوجزر آتے رہے۔ سیاست کے جو اچھے یا برے اتار چڑھاؤ آئے سب میرے سامنے ہیں مجھے اس ملک سے باہر دوسرے ملکوں اور براعظموں میں جانے کا اتفاق بھی ہوتا رہا ہے۔ میں آپ کے سامنے پوری دیانتداری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس ملک کے لئے مناسب ترین اور محفوظ ترین اور محتاط ترین اور کامیاب ترین نقشہ وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد نے سوچا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا اور لکھا آپ کے سیاسی ڈھانچہ میں کتنی ہی تبدیلیاں آئیں۔ یہاں کے انتخابات کا نتیجہ کچھ ہو یہاں کے سیاسی نقشہ میں اور یہاں کے منشور میں اور یہاں کے ... میں اور یہاں کے اعلانات اور وعدوں میں کیسا بھی ردوبدل کیا جائے میں نہیں کہتا بد دیانتی سے ہوگا بالکل دیانتداری سے ہوگا لیکن میں آپ کے سامنے ببانگ دہل یہ کہتا ہوں (مولانا کا اعلان ببانگ دہل ہی کی حیثیت رکھتا ہے) میں اسی کی آواز پر نہیں بلکہ اس آواز پر جو اس سے بے نیاز ہے اور جو صداقت پر اور حقانیت کی بنا پر، دیانتداری کی بنا پر۔ اور حب الوطنی کی بنا پر۔ اور مطالعہ کی گہرائی کی بنا پر، اس سے بہت دور جا سکتی ہے اور وہ چاہے اس وقت تحریر میں نہ آئے لیکن وہ اس فضا میں گونجتی رہے گی۔ وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے آزادی کے لئے ہندوستان کی سلامتی کے لئے، ہندوستان کے باوقار طریقہ پر، محفوظ طریقہ پر، محتاط طریقہ پر قابل اعتماد طریقہ پر اور امن وامان کے راستہ پر چلنے کے لئے اور ہندوستان کی آزادی کے برقرار رہنے کا سب سے زیادہ صحیح اور سب سے بہتر اور سب سے مکمل نقشہ وہی ہے جو مولانا آزاد نے سوچا جو

مولانا آزاد نے کہا۔ جو مولانا آزاد نے کہا۔ ملک کی بنیاد جمہوریت پر ہو ملک کی بنیاد سچے بے لاگ انتخابات اور قومی چناؤ پر ہو یا نا مذہبیت پر ہو میں لا مذہبیت نہیں کہتا۔ نا مذہبیت اور چیز ہے۔ لا مذہب ہونا اور چیز ہے نا مذہبیت یہ ہے کہ اس ملک کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ وہ مذہب کا نہ مخالف نہ کسی مذہب کا داعی اور علمبردار ہے۔ اس ملک میں ہر مذہب کو آزادی ملے، انصاف ملے، پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا میدان ملے۔ یہ ملک آزاد ہو۔ آزاد رہے۔ سیاست سے لے کر اقتصادیات تک اور بین الاقوامی تعلقات تک یہ ملک آزاد ہو اور اس میں ہر اقلیت اپنے کو محفوظ سمجھتی ہو۔

اور میں یہ عرض کروں گا اپنے چپ و راست، دانشوروں اور وزراء کے درمیان کہ کسی ملک میں کسی اقلیت کا محفوظ رہنا کافی نہیں بلکہ اس اقلیت کا اپنے کو محفوظ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اس کو یہ احساس ہو کہ ہم محفوظ ہیں۔ آپ مشورہ ہیں، آپ سیاسی اعلانات میں کتنا ہی کہیں کہ کسی مذہب میں دخل نہیں دیا جائے گا۔ ہر اقلیت اپنے کو محفوظ سمجھے لیکن اگر اس کے اندر یہ شعور یہ احساس نہیں کہ ہم محفوظ ہیں تو یہ اعلان کافی نہیں ہے۔ کوئی شخص رات کو سو رہا ہو ہر طرح سے حفاظت کے انتظامات ہوں باہر پہرے کے آوازیں دی جارہی ہوں لیکن سونے والا شخص اپنے آپ کو کسی وجہ سے محفوظ نہ سمجھتا ہو تو اس کو نیند نہیں آئے گی۔ اقلیتوں کو محفوظ بھی ہونا چاہیے اور ان کے اندر اپنے محفوظ ہونے کا شعور ادراک اور اعتراف بھی ہونا چاہیے وہ کہیں کہ ہم محفوظ ہیں۔ وہ کہیں کہ ہمیں کوئی شکایت نہیں یہ بھی ضرور ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور اس جلسہ کا یہی پیغام سمجھتا ہوں کہ اس ملک کے لئے محفوظ ترین مناسب ترین کامیاب ترین نقشہ وہ ہے جو شروع میں گاندھی جی نے مولانا آزاد نے اور پنڈت جواہر لال نہرو نے بنایا تھا اور میں اتنا کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس نقشہ پر آخر تک مولانا آزاد جمے رہے یہی نقشہ اس ملک کے لئے موزوں ہے اور میں ذمہ داری سمجھتا ہوں ان سب لوگوں کی جن کے ہاتھ میں سیاست کی باگ ڈور ہے جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے جو اس ملک کے رہنما ہیں ملک کے منتظم ہیں میں ان سب کی خدمت میں عرض کروں گا یہ چیز لکھ لینے کی ہے اور یاد رکھنے کی ہے اس ملک کے لئے سب سے بہتر نقشہ وہی ہے جو ہندوستان کے اولین مجاہدین آزادی نے بنایا تھا۔ اسی نقشہ میں اس ملک کی سلامتی اور ترقی کی ضمانت مضمر ہے۔ کہ یہ ملک صحیح معنی میں آزاد و خود مختار بھی ہو۔ اس ملک میں قانون محض تعداد کی زیادتی کسی کی تابع نہ ہو کہ اکثریت کی ہر بات مانی جائے اور اکثریت کی منشا کے مطابق اس ملک کو چلایا جائے بلکہ اس میں سب کے منشاء کا خیال رکھنا ہوگا۔ سب کو مطمئن کرنا ہوگا کہ کسی کو کسی شکایت کا موقع نہ رہے مولانا آزاد کی زندگی کا پیغام یہی ہے۔ اور یہ وہ صور اسرافیل ہے جیسے مولانا آزاد پہاڑ کی بلندی

پر کھڑے ہو کر پھونکنا چاہتے تھے ۔

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں یہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور یہ مولانا کے خلوص کی دلیل ہے کہ ان کے نقوشِ قلم اور ان کی تقریروں کے الفاظ کو زندہ کیا جائے ۔ زندہ رکھا جائے ، پھیلایا جائے ، ان کو محفوظ رکھا جائے ۔ ان کو حرزِ جاں بنایا جائے ۔

میں ان الفاظ کے ساتھ آپ حضرات کا شکر گذار ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے ۔ کہ میں ایک ایسے جلسہ کی صدارت کی ذمہ داری ادا کروں جس میں کا انتساب مولانا آزاد سے ہے ۔ اس کے لئے اگر کوئی جواز ہے تو وہی ہے جس کو میں نے شروع میں کہا ۔ کہ اب اس نسل میں اس کی ساری خوبیوں ، کمالات اور قابلیتوں کے باوجود ایسے خوش قسمت افراد کم ہیں جن کو مولانا سے اتنے بار ملنے کی اور ان کی خدمت میں بیٹھنے کا اور ان سے استفادہ کرنے کا ابوالکلام سے ہم کلام ہونے کا شرف بار بار ہوا ۔ پھر ان کا میرے خاندان ، سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے عقیدت کا اور ہمارے ادارے ندوۃ العلماء سے مسلک کا اور ذہن و فکر کا بہت قریبی تعلق رہا ہے انہوں نے اپنی جوانی کی ایک مدت دار العلوم ندوۃ العلماء کے ماحول میں گذاری ۔ علامہ شبلی نعمانی سے ان کا رشتہ ایک مستفید کا اور مولانا کا رشتہ ان سے ایک قدرداں کا تھا ۔ اور دار المصنفین اس کے رفقاء اور خاص طور پر مولانا سید سلیمان ندوی ۔ مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی سے ان کے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات تھے ۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی یہ گذارش ختم کرتا ہوں اور آخر میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں ۔
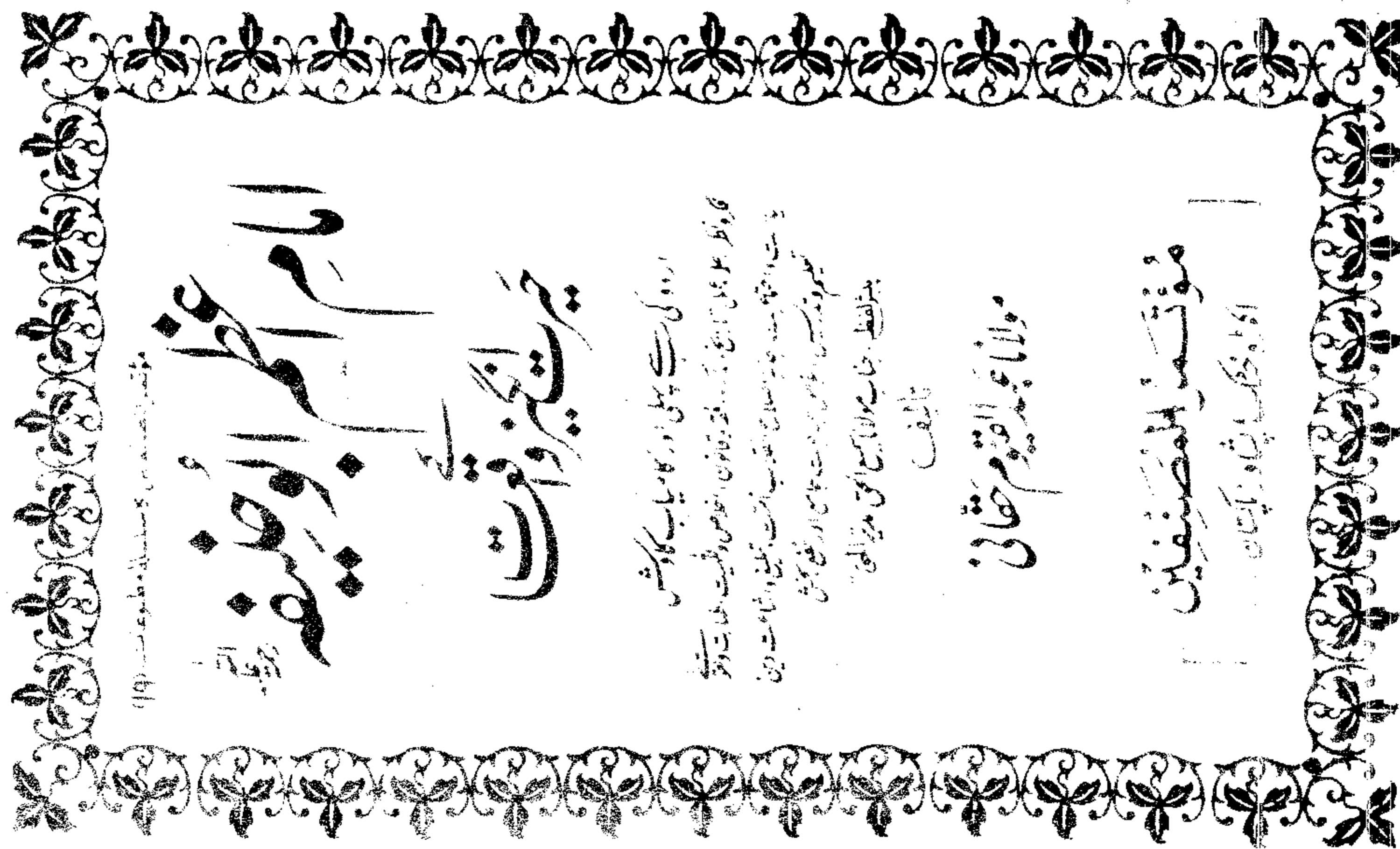
پیلو کی بازیافت
فلورائیڈ کے ساتھ
Hamdard
PEELU
ہمدرد
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرّب اجزاء پر مشتمل ایک مکمل طبی ٹوتھ پیسٹ پیش کرکے ہمدرد نے
حفظِ دنداں کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کرلی ہے۔
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔
ہمدرد کی تحقیقِ جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرّب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع
فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں
کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
Hamdard
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
ہمدرد
آوازِ اخلاق
پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو
Adarts-HTP-3/85

جناب ریاض الدین احمد صاحب

اسلام امریکہ اور روس میں

اس وقت خلیج ٹائمز کا ایک شمارہ ۱۴ مئی میرے سامنے ہے یکایک میری نظروں کو ایک شاہ سرخی نے کھینچ لیا۔ اس کے الفاظ ہیں۔ "امریکہ میں سب سے زیادہ تیز رفتاری سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے" اس صفحے پہ ایک گروپ فوٹو تین آدمیوں کا نظر آرہا ہے۔ یہ تینوں امریکن ہیں۔ اور امریکن لباس میں ہیں۔ مگر سب کے چہروں پر داڑھیوں کا نور ہے۔ لبوں پر مسکراہٹ اور عزم الامور سے ان کی آنکھیں چمک رہی ہیں۔

یہ تینوں شمالی امریکہ کی اسلامک سوسائٹی کے روح رواں ہیں۔ اس تصویر میں (بائیں سے) پہلے شخص داؤد زونک (DOWOOD ZWUINK) ہیں۔ یہ امریکن نژاد ان دس لاکھ امریکیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ اسلامک سوسائٹی کے نائب صدر بھی ہیں۔ دوسرے نمبر پہ احسان بگبی (IHSAN BAGBY) یہ ایسوسی ایشن کے قائم مقام جنرل سیکریٹری ہیں۔ اور تعلیمات اسلامی کے مرکز کے ڈائرکٹر بھی۔ تیسرے احمد الخطاب وفد کے قائد ہونے کے علاوہ عوامی اور بین الاقوامی روابط کے ڈائرکٹر ہیں۔

یہ لوگ متحدہ امارات عربیہ کے ۱۲ روزہ دورہ پر آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ "امریکی مسلمانوں کا یہ ادارہ جس کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں ۱۹۶۳ء میں قائم ہوا اس وقت کناڈا اور امریکہ میں مسلمانوں کی آبادی صرف ۵ لاکھ تھی۔ اور مسجدیں صرف ۲۵ عدد۔ مگر اس وقت یہاں مسجدوں کی تعداد ایک ہزار ہے، ۶۵ اسلامیہ سکول چل رہے ہیں۔ اور ایسوسی ایشن کی ۴۰۰ شاخیں جابجا پھیلی ہوئی ہیں۔ باقاعدہ اراکین کی تعداد ۵۰ ہزار ہے۔ لیکن ۱۷ سال کے مختصر عرصہ میں صرف شمالی امریکہ کی مسلم آبادی ۷۰ لاکھ کے عدد چھو رہی ہے۔ اس میں ۱۰ لاکھ وہ امریکی نژاد ہیں جنہوں نے قبول اسلام کی سعادت حاصل کر لی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰۰۰ء تک اسلام امریکہ کا سب سے بڑا دوسرا مذہب بن جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷ سال کی قلیل مدت میں امریکہ میں اسلام نے انقلاب انگیز جست لگائی۔

وقت کی پکار سے متاثر ہو کر شمالی امریکہ کی اسلامی سوسائٹی کا یہ وفد تیس لاکھ ڈالر کا ایک توسیع اسلام منصوبہ لے کر چکر لگا رہا ہے۔ یہ منصوبہ مغربی دنیا میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا آئینہ دار ہے۔ اس کی روشنی میں ٹھوس قدم ان کے پیش نظر ہے۔ وہ ایک ایسی اسلامی یونیورسٹی وجود میں لانا ہے جس سے فارغ ہونے والے نوجوان

ترقی یافتہ دنیا میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے اہل ہوں۔

مسٹر بیگسبی نے کہا:-

"ہم شمالی امریکہ میں دوسرے مذاہب کے شانہ بشانہ ایک باوقار مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ملت اسلامی کے مؤثر وجود کا سکہ جما سکیں"

مسٹر داؤد نے اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"مغرب میں جو روحانی خلا پیدا ہو گیا ہے اس کی پُر کرنا اسلام کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے اسلام کو مسجدوں کے گوشہ عافیت سے باہر آکر امریکی سوسائٹی کو اخلاقی بحران سے نجات دلانے کے لئے مؤثر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے"

امریکہ کے اخلاقی بحران میں سب سے زیادہ اہم مقام منشیات کو حاصل ہے۔ اس محاذ کو سر کرنے کے لئے امریکہ دنیا کا سب سے بڑا کثیر الخرچ منصوبہ چلا رہا ہے۔ مگر کامیابی تک پہنچنے کی راہ بہت دشوار گذار ہے۔ پھر بھی اسلامی جماعتیں ایک مؤثر کردار ادا کرنے میں مصروف ہو گئی ہیں۔ اس کا اعتراف خود صدر بش نے ان الفاظ میں کیا:-

" انسداد منشیات میں ہمارے مسلم بھائی صف اول کا کردار ادا کر رہے ہیں"

دوسرا محاذ لاقانونیت، تشدد اور غنڈہ گردی کا ہے۔ ایک حالیہ جائزے کے مطابق امریکہ کے سب سے مشہور نیویارک نے چوریوں اور ڈکیتیوں کے مقابلہ میں عالمی چیمپئن شپ جیت لی ہے۔

تیسرا محاذ عفت وعصمت کا ہے کہ اس کے بنیادی تصور سے مغربی دنیا ناآشنا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لندن ہائیکورٹ کے ایک حالیہ جج نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ یورپ میں قبل شادی جنسی اختلاط کوئی معیوب فعل نہیں ہے۔ مگر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا معاشرہ اسے ناقابل تلافی جرم سمجھتا ہے۔ اور یہ بات متاثرہ خاندان کے لئے حد درجہ شرمناک سمجھی جاتی ہے۔

اس لئے لندن کی ایک مسلم دوشیزہ پر جب اس قسم کی تہمت طرازی اس کے نوبیاہتا شوہر کی طرف سے کی گئی تو عدالت نے سخت ترین رویہ اختیار کیا۔ اور مجرم پر ہرجانے کی رقم عائد کی۔

چوتھا محاذ ترقیاتی علوم کا ہے جس نے اخلاقی اقدار سے پیچھا چھڑا کر دنیا کو ایک فتنہ عظیم میں مبتلا کر دیا ہے۔ بڑھتی ہوئی تکنیکی صلاحیتیں تعمیر سے زیادہ تخریب کاری کی طرف راغب ہو گئی ہیں۔ ان کا نشانہ لاکھوں معصوم جانیں ہیں جن کا اتلاف ایک عالمی کردار بن گیا ہے۔ ان میں صحیح توازن پیدا کرنے کے لئے آج حکمت قرآنی کی جتنی ضرورت ہے اس پہلے کبھی نہیں تھی۔ اور نجات کا وہ راستہ اللہ کی کتاب ہے۔ امریکہ میں اسلام کا تیز رفتار عروج ایک قرآنی انقلاب کی پیش گوئی کر رہا ہے۔

آئیے! اب روس چلتے ہیں۔ جہاں نجات دنیوی کی آخری امید اشتراکیت کا ستارہ غروب ہو رہا ہے۔

اسلام جو اسّی سال ظلم و تشدد کی چکی میں پستا رہا اب پھر افشائے عالم پر چھلنے لگا ہے۔ امیر طاہری کی حالیہ تصنیف "سرخ آسمان پر رویت ہلال" جب منظر عام پر آئی تو کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ روسی اشتراکیت کا جنازہ اتنی جلدی بکھرنے والا ہے۔ اس وقت "ترکستان" نامی میگزین کا مقالہ نگار جس نے اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی تھی صرف اتنا کہنے کی ہمت کر سکا تھا کہ

"مسلمان اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں انقلاب نہیں چاہتے"

اسّی سال سے وہ کچلے جا رہے تھے ان کی ۲۲ ہزار مساجد میں تالا لگ چکا تھا۔ مذہبی تعلیمی ادارے سب بند پڑے تھے سیاسی اور معاشی ترقی کے راستے ان پر مسدود تھے۔ حکومت سے ان کی ساجھے داری بے دخل کر دی گئی تھی۔ روسی ترکستان میں واقع ارال سمندر جو دنیا کا چوتھا سب سے بڑا پانی کا تالاب ہے اور ان کی زراعتی زندگی کے لئے خط حیات کے مثل تھا۔ اس کا پورا پانی کھینچ کر منتقل کر دیا گیا۔ اور ایک شاداب ترین علاقہ ویرانہ ہو کر رہ گیا تھا۔ مسلم ریاستوں کے بھرپور معدنی ذخیروں پر حکومت نے قبضہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کو غربت اور افلاس کی حالت میں تبدیل کر دیا۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا اور دنیا خوش ہوتی رہی کہ اسلام کی ایک بڑی آبادی کچل دی گئی۔ مگر رسالہ کمپاس (CAMPAS) کا مقالہ نگار لاؤٹن تصدیق کرتا ہے کہ:

"اتحادی روس کی ۵ اماہ میں کم از کم چھ جمہوریاؤں میں مسلم آبادی اسّی سالہ گمنامی کے باوجود عملاً اور عقیدۃً بیدار رہی" اور انہوں نے اپنی بنیادی سطح کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ ان کے سینکڑوں دینی مدارس اندر ہی اندر کام کرتے رہے۔ اور نماز کے ہزاروں مراکز گھروں کی چار دیواری میں محبوس ہو گئے۔"

لندن کا رسالہ ٹائمز رقم طراز ہے کہ:

"نئی نسل کے روسی نوجوان خصوصاً طلبا اور جدید مفکرین اب اسلام کے زبردست حامیوں میں ابھر رہے ہیں اور بہت سے مسلمان جو کمیونسٹ ہو چکے تھے اپنے آبائی اقدار اور کلچر کی طرف رجوع کر رہے ہیں"

سوویت روس کی ۲۸۰ ملین آبادی میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ۵۳ ملین ہے۔ جو پورے ملک کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ اور اعتقاداً دوسری سب سے بڑی آبادی ہے۔ لیکن بقول لاؤٹن چونکہ روس کی مسلم آبادی دوسرے کے مقابلے میں چار گنا زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے اس لئے یہ گمان اغلب ہے کہ آئندہ تیس سالوں میں مسلمانوں کی آبادی دوسرے روسیوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے گی"

اب جب کہ بیسویں صدی اپنے اختتام پر ہے سوویت یونین کی چھ مسلم جمہوریائیں اپنا سیاسی اقتدار واپس لینے کے لئے مثبت قدم اٹھا رہی ہیں۔ سوویت ترکستان سے آنے والے سیاح برابر یہ اشارے دے رہے ہیں

کہ روسی مسلم جمہوریاؤں میں کمیونسٹ تن تنہا رہ گئے ہیں۔ اور ایک متبادل مسلم لیڈر شپ ظہور میں آنا ہی چاہتی ہے، نیویارک ٹائمز اس حقیقت سے گریز نہیں کرتا کہ اسلام کی اعتصابی طاقت پورے سوویت روس پر حاوی ہے۔ اور ایک انقلابی اسلامی تحریک کی پیش رو ہے۔ روسی مسلمانوں نے اس طاقت کو برقرار رکھنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ اس میں ان روسی مسلمانوں کا بھی بڑا حصہ ہے جو ۲۰ لاکھ کی تعداد میں تاجکستان سے اور ۱۰ لاکھ کی تعداد ازبکستان سے ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے تھے۔ نیز ان چار لاکھ روسی ترکستان کے باشندوں کا جو ایران چلے گئے تھے کہ تاکستان اور کرگیزیا کی سرحدوں پر بسنے والے چینی مسلمانوں کا بھی جنہوں نے اخوت کے رشتے کو کبھی ختم نہیں ہونے دیا۔

یہ ضرور ہے کہ گورباچوف سے پہلے روسی مسلمانوں کی زندگی تاریکی کے پردے میں گم تھی۔ اس حقیقت کو منظر عام پر لانے کے لئے دنیا گورباچوف کی منت کش رہے گی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں کشش مسلمانوں کے کردار کی وجہ سے نہیں بلکہ صحیفہ ابدی کے لازوال معجزے کی وجہ سے ہے۔ (ترجمہ لوگو! قرآن کی طرف منہ موڑ دو کہ یہی آخری ذریعہ نجات ہے۔ (مزمل)

فلسطین

دنیا کے بہت سے ممالک میں جو اقتصادی، علمی اور تکنیکی امداد دوسرے ملکوں سے حاصل کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں لیکن اسرائیل دنیا میں تنہا ملک ہے اگر اس کو ملک کہنا صحیح ہو جو اپنی آبادی کے لئے انسان بھی دوسرے ملکوں سے " درآمد" کرنے پر مجبور ہے۔ عالمی یہودی ایجنسی کے ایک سابق صدر بنجاس سا نیر نے کہا تھا کہ سرزمین فلسطین کی طرف یہودیوں کا نقل مکانی ہی ان کی زندگی کی ضمانت ہے۔ اور اس صدی کے اوائل ہی سے یہود اسی سیاست پر کاربند ہیں۔ اس سیاست میں دنیا کی وہ تمام طاقتیں یہود کی تائید کر رہی ہیں جنہوں نے اپنے ناپاک استعماری مقاصد کے لئے اسرائیل کا خنجر عرب ممالک کے جسم میں پیوست کیا تھا۔ امریکہ تقریباً ۷۰ سالوں سے یہی کر رہا ہے مشرقی یورپ میں اشتراکی انقلاب کے موقع پر ان ملکوں کے یہودی تارکین وطن کی فوجیں امریکہ پہنچنے لگیں تو امریکہ نے ۱۹۲۱ء میں یہ قانون نافذ کر دیا کہ اندرون ملک آباد یہود کی کل تعداد ۳ فیصد یہود کو امریکہ میں بسنے کی اجازت ہوگی۔ اور تین سال بعد اس تعداد کو کم کر کے ۲ فیصد کر دیا۔

برطانیہ، کناڈا، جنوبی افریقہ، لاطینی امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک نے یہی کیا۔ اس کے نتیجہ میں یہود فلسطین میں جا جا کر برطانیہ کے زیر نگرانی بستے رہے۔ ایک بار پھر گورباچوف کی کھلے دروازوں والی پالیسی کے نتیجہ میں ایک ملین۔ دس لاکھ یہودیوں کو روس سے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے اور اسرائیلی حکومت

انہیں دریائے اردن کے مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی میں بسانے کا پروگرام بنا رہی ہے۔

۱۸۸۲ء میں فلسطین میں کل پانچ ہزار یہودی تھے۔ ۱۹۱۸ء میں برطانی فوجیں وہاں داخل ہوئیں۔ اس وقت یہودی کل آبادی کا ۸ فیصد تھے۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۷٫۹ فیصد تھے۔ اور ۱۹۴۵ء میں ان کی تعداد ۳۱ فیصد تک پہنچ گئی۔ یعنی کل آبادی کا ایک تہائی ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۲ء تک ۹۰۰۰۰ یہودی فلسطین پہنچے۔ لیکن ۱۹۳۲ء ۱۹۴۵ء کے عرصہ میں نقل مکانی کر کے فلسطین پہنچنے والی یہودیوں کی تعداد ۴٫۲۰٫۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد دنیا کے مختلف ملکوں سے یہودی اسرائیل پہنچتے رہے۔ اور فلسطینی عربوں کی زمینوں اور مکانوں پر قبضے کرتے رہے۔ اسرائیل نے ان کی آبادکاری کے لئے اول روز ہی سے فنڈ قائم کر دیا تھا۔ اور ۱۹۴۸ء میں اس کے لئے ایک وزارت بھی قائم کر دی گئی جو اب تک برسر کار ہے۔

۱۹۸۵ء میں روس میں میخائیل گورباچوف برسر اقتدار آئے اور ان کی پرسٹرویکا اور گلاسنوسٹ کی پالیسی سے شاید یہودیوں ہی کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ چنانچہ ۱۹۸۸ء میں ۱۸٫۹۸۵ یہودیوں کو روس چھوڑنے کی اجازت ملی اور مغربی ذرائع کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۹ء میں ۱۷٫۱۹۶ یہود کو سفر کی اجازت دی گئی ہے ابھی تک روس سے آنے والے یہودیوں کو امریکہ کا ویزا حاصل ہوتا تھا۔ مگر پچھلے چند ماہ سے یہ سہولت ختم ہو گئی ہے اس طرح اگلے پانچ سال میں ایک ملین یہودی روس سے نکل کر اسرائیل میں بسنے والے ہیں۔

اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق شامیر نے اسے ایک معجزہ قرار دیا ہے۔ اور اسرائیلی حکومت نے ان کو آباد کرنے کے لئے امریکہ سے امداد کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

اسحاق شامیر نے بڑے غرور کے ساتھ کہا ہے کہ ان پانچ سالوں کے بعد ہمارا ملک ایک نئی شکل میں جلوہ گر ہو گا۔ اس کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ زندگی کے طور طریقے بدل جائیں گے۔ اور ملک کی عظمت اور قوت میں بھی اضافہ ہو گا۔

ایک فلسطینی لیڈر مسٹر عدنان ربوعودہ نے اس کے متوقع نتائج کا اندازہ لگاتے ہوئے ابوظہبی کے ایک لیکچر میں کہا۔

۱۔ اسرائیل کی مدافعت میں لڑنے میں زبردست اضافہ ہو گا۔

۲۔ نئے آنے والوں کو روزگار کی تلاش ہو گی۔ جس سے فلسطینیوں کو سخت معاشی مشکلات کا سامنا کرنا ہو گا۔

۳۔ امریکی یہودیوں میں جو لوگ شامیر کے مخالف ہیں ان کی آواز کمزور پڑ جائے گی۔

۴۔ ان لوگوں کی دلیل بھی کمزور ہو جائے گی جو فلسطینی عربوں کے اضافہ آبادی سے پہلے ان کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں معاملہ طے کر لینے کی وکالت کر رہے ہیں۔

۵۔ ۱۹۶۷ء میں قبضہ کئے ہوئے عرب علاقوں میں آباد کر کے اسرائیلی اس علاقہ پر اپنا مستقل حق جتائیں گے۔

باقی ص ۵۷

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم پٹڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

Servis
قدم قدم حسین قدم قدم آرام

جناب حافظ بشیر احمد مصری

فرق باطلہ کا تعاقب

قادیان سے واپسی

اس مضمون کے مصنف شاہجہاں مسجد، ووکنگ انگلینڈ کے امام اور ماہنامہ اسلامک ریویو کے جوائنٹ ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور اس وقت جنوبی افریقہ میں متوطن ہیں

میرے بہت سے احباب نے مجھ سے متعدد بار خواہش کی کہ میں اپنی وہ کہانی سناؤں جو قادیان سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کروں مفصل طور پر کچھ کہنے کے لئے ایک پوری ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ اس مختصر مضمون میں صرف ان واقعات کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے جس نے مجھے اس مسلمہ عقائد کی مخالفت اور منافقانہ مذہب کی ملامت کرنے پر مجبور کر دیا۔

میں ۱۹۱۳ء میں قادیان میں پیدا ہوا یہ میری بدقسمتی تھی جو پچھلے ۳۰ برسوں سے میرے گلے میں طوقِ لعنت کی طرح حمائل ہے۔ بچپن میں ہی میرے دل میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ تمام مسلمان کافر ہیں۔ اللہ اور اسلام پر ایمان اس کے ساتھ مشروط ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کو اللہ کا رسول تسلیم کیا جائے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں کو خلیفہ مانا جائے۔

میں جیسے جیسے سن شعور کو پہنچتا گیا میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ایک ایسے معاشرہ کا فرد ہوں جو دجل وفریب پر مبنی ہے کچھ ایسے بزرگ یقیناً موجود تھے جنہوں نے اس مذہب کو اسلام کی ایک اصلاحی تحریک سمجھ کر اس کے ابتدائی دور میں قبول کر لیا تھا۔ ان مخلص اور سادہ لوح لوگوں میں اس کی صلاحیت نہ تھی کہ وہ سمجھ سکتے کہ ان کے اردگرد اب کیا ہو رہا ہے یا پھر وہ اپنے آپ کو اس سے صلح کرنے پر مجبور پاتے تھے۔

کم عمری کے باعث میرے لئے اس وقت یہ سمجھنا مشکل تھا کہ اس تحریک سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے ابتدائی مرحلہ میں اس تحریک سے قائدین کے اطوار و اخلاق کے بارے میں میرے دل میں شبہات پیدا ہوئے۔ اس ناپختہ شعور کی کیفیت میں قدرت نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ میرا امتحان لینے کے لئے مجھے جہنم کی بھٹی میں دھکیل دے۔

میں ۱۸ سال کا ایک تندرست، توانا نوجوان تھا جب مجھے یہ پیغام ملا کہ اس وقت تحریک کے سربراہ (خلیفہ) نے کچھ خفیہ امور پر تبادلہ خیالات کے لئے مجھے مدعو کیا ہے۔ اس زمانے میں ان کو ظل اللہ سمجھا جاتا تھا لہذا اس دعوت نامہ کو پاکر بے حد مسرت اور عزت محسوس ہوئی۔ میں نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے مذہبی امور سے متعلق کوئی خفیہ کام سپرد کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی ملاقات محض سرسری تھی۔ خلیفہ مرزا غلام احمد کے بیٹے بشیر احمد آنجہانی تھے۔ انہوں نے مجھ سے کچھ ذاتی سوالات کئے جن کے جوابات میں نے مودب ہو کر دئے۔ مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کروں۔ اور دوسری ملاقات کے لئے وقت بتا کر رخصت کر دیا۔ بعد کی ملاقاتیں بے تکلفانہ رنگ اختیار کر گئیں یہاں تک کہ مجھے "اندرونی حلقہ" میں داخل کرنے کی پیشکش کی گئی۔

عیش پرستی کا مرکز

"ظل اللہ" نے دراصل جنسی عیش کوشی اور مختلف طریقوں سے عیش پرستی کے لئے ایک اندرونی حلقہ قائم کر رکھا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے دلالوں اور کٹنیوں کا ایک گروہ اکٹھا کر رکھا تھا۔ غریب خاندانوں یا ایسے لوگ جن کے ذہنوں پر مرزائیت پوری طرح سوار ہو چکی تھی یا پھر دوسرے مجبور اشخاص جو کسی طرح مدافعت کے قابل نہیں تھے ان کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہاں لایا جاتا۔ ان میں سے کبھی کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرتا تو اسے یا بائیکاٹ مرتد قرار دے کر یا دوسرے طریقوں سے بدنام کر کے خاموش کر دیا جاتا۔

مرزا صاحب کا خاندان اپنے فرقہ میں روحانی اقتدار کا حامل ہی نہیں بلکہ قادیان اور اس کے اطراف میں کثیر زرعی زمینوں کا مالک بھی تھا۔ ان زمینوں پر کاشتکاری کرنے والے ان کے متبعین ہونے کے علاوہ معاشی طور پر ان کے دست نگر تھے۔ کیونکہ یہاں انہیں بحیثیت کاشتکار کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ ان حالات میں کسی شخص کی جانب سے ان کی مخالفت ممکن نہ تھی۔ کچھ لوگوں نے اگر کبھی اس کی جرأت کی تو وہ کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے یا پھر اس طرح غائب کر دئے جاتے کہ ان کا کوئی سراغ ہی نہ ملتا۔ جس زمانہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا مسلمان اپنی سادہ لوحی کی بنا پر مرزائیت کے خلاف کلامی بحثوں اور مناظرانہ جنگ میں مصروف تھے اور انہیں اس کی گندگی کا کوئی علم نہیں تھا۔

ایسا وقت بھی آیا جب میرے ذہن میں خیال آیا کہ تقدس کے پردہ میں اس بے ایمان گروہ کے سربراہ کو قتل کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کم عمری میں بھی عقل نے ساتھ دیا۔ میں نے

اپنے دل میں سوچا کہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ کسی دشمن نے مذہبی تعصب کے تحت یہ جرم کیا ہے اور اس طرح تاریخ اسے شہیدوں کی صف میں جگہ دے دے گی۔ اس کے علاوہ ایسے شخص کی اچانک موت اس کے جرائم کی سزا کے بجائے اس کی نجات دہندہ ثابت ہو گی۔ اور لوگ یہ خیال کریں گے کہ اس نے مذہب اور خدا کے لئے اپنی جان دے دی۔

بعد کے حالات سے یہ ثابت بھی ہوا کہ میرا یہ خیال صحیح تھا۔ وہ تھوڑے دنوں بعد فالج کا شکار ہو گئے اور طویل عرصہ سخت تکلیفیں اٹھا کر راہی فنا ہو گئے۔ ان کی علالت کے زمانہ میں جو ڈاکٹر ان کا علاج کیا کرتا تھا اس نے مجھے بتایا کہ آخری مرحلہ پر وہ ذہنی طور پر ماؤف ہو چکے تھے۔ اور ہر وقت انتہائی فحش باتیں کرتے تھے۔ اور جب تک گویائی نے ساتھ دیا فحش الفاظ ہی زبان پر رہے اور اسی پر خاتمہ بالشر ہوا۔

مذکورہ بالا وجوہات کے علاوہ ایک اور وجہ تھی جس نے راست اقدام سے باز رکھا۔ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ ایک شخص واحد کی موت سے یہ برائی دور ہونے والی نہیں ہے۔ صرف اکیلا یہ شخص جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں تھا بلکہ ان کے بھائی اور مرزا صاحب کے خاندان کے افراد کی اکثریت کی اخلاقی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ اس نام نہاد تقدس مآب گھرانہ کے بزرگوں نے اپنی لمبی داڑھیوں کے باوجود فسق و فجور کے حلقے ہنار کھے تھے۔ گویا کہ ان کے درمیان سمجھوتہ تھا کہ کوئی ایک دوسرے پر انگشت نمائی نہ کرے۔ دراصل اس حلقہ اقتدار میں صرف انہی لوگوں کو ذمہ داری سونپی جاتی تھی جو اس خاندان کے اس طرزِ زندگی کو پوری طرح اپنا چکے تھے۔ یہ وہ خاندان تھا جسے لوگ بے شرمی سے پیغمبر کا خاندان کہتے تھے۔ ان حالات میں یہ تعجب خیز امر نہیں تھا کہ کانا پھوسی کے ذریعہ ان کے کارناموں کا ذکر ہونے لگا تھا۔ اور امیر خاندانوں کے بگڑے ہوئے نوجوان اس "اصلاحی تحریک" میں اس لئے شامل ہو گئے تھے کہ انہیں مشرقی اخلاق کی ان حد بندیوں سے نجات مل جاتے جس پر اس وقت معاشرہ عمل کر رہا تھا۔

"تائب ہونے والوں پر مظالم" خلیفہ کے "اندرونی حلقہ" سے اخراج کے بعد میری زندگی مسلسل خطرہ میں تھی اس کے جرائم پیشہ لوگوں نے میرا تعاقب شروع کر دیا۔ اس وقت میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس سے سیدھا مقابلہ کروں میں خلیفہ کے پاس گیا اور ان کو میں نے ایک طویل خط دکھایا۔ جس میں میں نے اس کے سیاہ نامہ اعمال کا پورا ریکارڈ لوگوں کے نام جرائم کے اوقات کے ساتھ لکھ رکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس خط کی نقلیں میں نے مختلف اشخاص کے پاس اس ہدایت کے ساتھ جمع کر دی ہیں کہ میرے مرنے یا غائب کر دئے جانے پر اسے کھول کر پڑھ لیں

اس کے بعد میں اس قابل ہوگیا کہ آزادی سے قادیان کی سڑکوں پر چل پھر سکوں۔

ان لوگوں کی بداخلاقیوں کے بارے میں جس قدر میری معلومات میں اضافہ ہوتا گیا اسی قدر میں مذہب سے برگشتہ ہوگیا حتیٰ کہ میں ملحد ہوگیا۔ الحاد نے میرے اندر ایک ایسا خلا پیدا کردیا جسے میرے لئے از خود بھرنا مشکل تھا۔ لہذا میں نے اپنے والد صاحب سے رجوع کیا۔ انہیں میری روداد سن کر سخت دھچکا لگا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک کم عمر نوجوان کی بات پر یقین نہیں کرسکتے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے طور سے معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ اور بہت جلد ہی انہیں میری صداقت کا یقین ہوگیا۔

میرے والد صاحب نے نام نہاد خلیفہ کو ایک طویل مراسلہ لکھا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ خلیفہ کے عہدہ سے دست بردار ہوجائے۔ دوبارہ یاددہانی کرانے پر بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بلکہ میرے والد شیخ عبدالرحمن مصری اور ان کے خاندان کے تمام لوگوں مرتد قرار دے دیا۔ میرے والد صاحب کے تینوں خطوط ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوئے۔

مرتد ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا سماجی بائیکاٹ شروع ہوگیا۔ ہماری زندگی خطرہ میں پڑگئی یہاں تک کہ حکومت کو ہمارے گھر کے ارد گرد چوبیس گھنٹے کا پہرہ لگانا پڑا۔ اور ہمارے گھر کا کوئی فرد پولیس کو ساتھ لئے بغیر باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اس تمام احتیاط کے باوجود میرے اور میرے دو دوستوں پر بازار میں دن کے وقت حملہ کیا میرے ایک ساتھی کے سینہ میں چھرا مارا اور وہ مرگیا۔ دوسرے کی گردن اور کندھے پر زخم آئے اور اسے بہت دنوں تک ہسپتال میں رہنا پڑا۔ میں نے مقابلہ کیا اور اپنے حملہ آور کو زخمی کردیا۔ یہ زخمی شخص غائب کردیا گیا اور پولیس نے بعد میں تلاش کرکے اسے گرفتار کرلیا۔ اور اسے قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا ہوئی۔ قادیان میں اس کی موت پر بہت جوش وخروش سے مظاہرہ کیا گیا اور خلیفہ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اس واقعہ کے بعد مجلس احرار اسلام نے اپنے والنٹیئرز بھیج کر ہماری حفاظت کا انتظام کیا یہ والنٹیئرز ملٹری پولیس کے علاوہ ہمارے گھر کا پہرہ دیتے تھے۔ ان سب لوگوں کے خیموں سے جو ہمارے بنگلہ کے درمیان میں نصب تھے ہمارا گھر مورچہ بند قلعہ معلوم ہوتا تھا۔

مرزا کے کارکنوں نے میرے والد کو جھوٹے مقدموں میں پھانسنا شروع کردیا ان کا مقصد انہیں بدنام کرنا اور مالی طور پر کمزور بنانا تھا۔ اس کے لئے حد درجہ گندی اور گری ہوئی ذہنیت کا مظاہرہ کیا

گیا کہ ہمارے لئے زندگی دوبھر ہوگئی۔ میرے والد کو گیارہ افراد پر مشتمل اپنے خاندان کے گزارہ کے لئے زیورات اور جانور بیچنا پڑے۔ سب سے افسوسناک امر یہ تھا کہ ہمارے خاندان کے بچوں کو تعلیم منقطع کرنا پڑی۔ میرے خاندان پر ان مظالم اور ایذا رسانی کی تفصیلات اس زمانہ کے اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔

نقل وطن حکومت اور دوسرے لوگوں کی جانب سے ہمارے خاندان پر بہت دباؤ پڑ رہا تھا کہ ہم قادیان سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ ہم لوگ لاہور چلے گئے۔ میرے والد صاحب لاہوری جماعت احمدیہ میں شریک ہوگئے۔ حالاں کہ اس میں اور قادیانیوں کے عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ یہ جماعت بھی بداخلاقیوں میں اسی طرح ملوث تھی۔ میں نے اس جماعت سے بھی اپنے آپ کو الگ رکھا۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میرا تو مذہب پر سے عقیدہ ہی اٹھ چکا تھا۔ بہرحال اس زمانہ میں مجلس احرار کے قائدین سے میرا ربط ضبط بڑھنے لگا جس نے میرے اوپر بہت اثر ڈالا۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، چودھری افضل حق اور مولانا مظہر علی اظہر شامل تھے۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ مخلص دوست اور اچھے مسلمان ہیں۔

میرے والد صاحب نے میرے الحاد کو مجبوراً نظر انداز کر دیا تھا۔ حالاں کہ انہیں اس پر دلی قلق تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میرے لئے اللہ سے برابر دعا کرتے رہتے ہیں اور مجھے بھی خدا سے ہدایت طلب کرنے کی تلقین کی۔ میرا جواب یہ تھا کہ وہ مجھ سے ایک ایسی ہستی کی عبادت کرنے کے طالب گار ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ آخرکار بہت مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ میں خدا سے مشروط طور پر دعا مانگوں چنانچہ میں کچھ اس طرح دعا مانگنے لگا۔

"خداوندا! اگر تیرا وجود ہے تو مجھے کچھ اس کا عرفان عطا کر اور اگر تیرا کوئی وجود نہیں تو پھر تجھ پر ایمان نہ لانے کا کوئی الزام میرے اوپر نہیں ہے۔"

اس قسم کی دعا گستاخانہ بلکہ کافرانہ معلوم ہوتی ہے لیکن ایک سال کے عرصہ ہی میں میرے اوپر اس کے پُراسرار نتائج پڑنے لگے۔ میں نے دو خواب دیکھے ان میں سے ایک تو ذاتی نوعیت کا تھا جسے بیان کرنا مناسب نہیں۔ دوسرا خواب کافی طویل اور واضح تھا۔ میرے جیسے گناہ گار کو بھی اس کا یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے یہاں میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ اس خواب کے آخری حصہ میں میں نے دیکھا کہ مرزائی خلیفہ صاحب کا چہرہ ہیبت ناک طریقہ پر مسخ شدہ ہے۔

ان خوابوں کے بعد مجھے بہت تسکین ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے روحانی کرب میں کمی واقع ہو گئی ہے لہذا میں نے طے کیا کہ مجھے اب باقاعدہ طور پر اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔ مرحوم مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مجھے مولانا محمد الیاسؒ (بانی تبلیغی جماعت) کے پاس دہلی سے چند میل کے فاصلہ پر موضع مہرولی لے گئے۔ اور وہاں ۱۹۴۰ء میں ان کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شیخ الحدیث جناب محمد زکریاؒ بھی وہاں موجود تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد مولانا محمد الیاسؒ کے ساتھ جماعت میں موجود تقریباً چالیس اشخاص نے میرے لئے دعا کی۔

۱۹۴۱ء میں احساس ندامت و قدرے سکون کے ملے جذبات کے ساتھ جنوبی افریقہ چلا گیا۔ بمبئی میں جہاز کے عرشہ پر کھڑے ہو کر میں قرآن شریف کی اس آیت کی تلاوت کرنے لگا۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ	اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو
والمستضعفین من الرجال	اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر جن میں
والنساء والولدان الذین یقولون	کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے
ربنا اخرجنا من ھذہ	ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار
القریۃ الظالم اھلھا ج	ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے
واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیرا	والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب
سورۃ نساء	سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے
آیت ۷۵۔پ	لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے۔

جنوبی افریقہ میں بیس سال رہنے کے بعد ۱۹۶۱ء میں انگلستان چلا گیا۔

ووکنگ کی مسجد کی امامت

۱۹۶۴ء میں ووکنگ شاہجہان مسجد میں امام مقرر کیا گیا اس تقرری کی وجہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس مسجد کو مستشرق ڈاکٹر لیٹنر (DR. LIETNER) نے ۱۸۸۹ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کے لئے ہندوستانی مسلمانوں نے رقم فراہم کی تھی۔ اور ایک ٹرسٹ بنایا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرزائیت نے بال و پر نہیں نکالے تھے لہذا ٹرسٹ نے اس کا انتظام لاہوری جماعت کے مرزائیوں کے سپرد کر دیا۔

۱۹۶۰ء کے بعد مسلمانوں کی مختلف انجمنیں انگلستان میں قائم ہو چکی تھیں۔ اور وہ اس پر مصر تھیں کہ مسجد

کا انتظام ٹرسٹ کے منشا کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیا جائے۔ اور اسے اسلامی مرکز میں تبدیل کر دیا جائے۔ مجھے ٹرسٹ کے سیکرٹری اور مینجر نے بہ حیثیت امام کام کرنے کے لئے درخواست کی۔ میں نے انہیں صاف بتا دیا کہ میں سنی مسلمان ہوں اور میں نے مرزائیوں کے خلاف اپنے تحریر کردہ کچھ مضامین کی نقلیں بھی ارسال کر دیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میرے خیالات سے واقف ہیں۔ اور مجھے اطمینان دلایا کہ پاکستان کے ہائی کمشنر جو کہ ٹرسٹ کے سرکاری صدر ہیں مجھ سے متفق ہیں۔

مسجد کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اکثر مسلمان مجھے مرزائی سمجھتے ہیں۔ پچھلے ۲۵ برسوں سے اس مسجد میں مرزائی امام ہی مقرر ہوتے رہے۔ لہٰذا عام مسلمانوں کے لئے اس بات پر یقین کرنا مشکل تھا کہ یکایک کوئی مسلمان بھی امام ہو سکتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں دو گھوڑوں پر سوار ہوں۔ مرزائیوں اور لاہوریوں سے میرے اختلافات ناقابلِ عبور تھے اور تمام مسلمان مجھے مرزائی سمجھتے تھے۔ مجھے انگلینڈ کے مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کافی وقت لگا۔

میری یہ تمنا تھی کہ میں مسلم ممالک کا دورہ کر کے ان کی مذہبی حالت کا مشاہدہ کروں۔ (اس دورہ میں میں نے تین سال صرف کئے۔ اور تقریباً ۴۰ ملکوں میں ۷۵ ہزار میل کا سفر کیا) مسجد سے مستعفی ہونے سے پہلے میں یہ چاہتا تھا کہ مسجد اور اسلامک سینٹر مستقل طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی رہے۔ بورڈ آف ٹرسٹیز میں صرف دو یا تین مرزائی ممبر تھے۔ لیکن وہ بہت کم سرگرم اور با اثر لوگ تھے۔ وہ برابر اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ میرے بعد مرزائی امام ہی مقرر کیا جائے۔

مسلمان ممبروں سے طویل گفتگو اور مشورہ کے بعد میں نے انگلینڈ اور آئرلینڈ کی تمام مسلم انجمنوں کا ایک جلسہ ۲۰ جولائی ۱۹۶۸ء کو شرقی لندن کی مسجد میں طلب کیا جس میں ایک سو سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ میں نے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ میں سال کے آخر میں دورہ پر جانے والا ہوں اور مرزائی اس کوشش میں ہیں کہ ان کا اپنا امام مقرر کیا جائے۔

اس رسہ کشی میں ایک قانونی نکتہ بہت اہم تھا جس سے ہمیں بہت مدد ملی۔ ٹرسٹ کی رُو سے مرزائی شروع سے اس مسجد کے کرایہ دار کی حیثیت رکھتے تھے۔ جسے کسی وقت ختم کیا جا سکتا تھا۔ ابھی تک یہ بات عام لوگوں کو معلوم نہیں تھی اور میں نے ان کی توجہ اس طرف دلائی۔

اس جلسہ میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ " ووکنگ مسجد کی ایک تشکیل نو کمیٹی " قائم کی جائے جو مسجد کا

چارج اعلانیہ مجمع کے سامنے لے لے۔ اور میرے جانے کے بعد عارضی طور پر ایک مسلمان کو امام مقرر کر دے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ٹرسٹ سے کہا جائے کہ وہ اپنے مرزائی ممبروں کی رکنیت ختم کر دے اور آئندہ کسی مرزائی کو ممبر نہ بنائے۔ اس طرح نومبر ۱۹۶۸ء میں میں نے مسجد کا چارج دیا اور اپنے دورہ کے لئے انگلینڈ سے روانہ ہوا۔

میں یہاں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا اگر میرے کچھ مسلمان دوستوں نے میری مدد نہ کی ہوتی۔ ان سب کے نام گنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن تین اشخاص کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے ان میں مرحوم مولانا لعل حسین اختر ختم نبوت کی ایک بین الاقوامی انجمن کے صدر تھے۔ میری طرح انہیں بھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں مرزائیت کا ذاتی تجربہ تھا۔ دوسرے حاجی محمد اشرف گوندل صدر بین الاقوامی تبلیغی مشن تھے۔ اور تیسرے جناب این۔ ایم۔ لودھی تھے جنہوں نے ووکنگ کی تشکیل نو کمیٹی قائم کرنے کے لئے انتھک محنت کی تھی۔

آخر میں میں اپنے مسلمان بھائیوں سے قادیانیوں کے خلاف زندگی بھر کی جدوجہد کی روشنی میں چند باتیں عرض کروں گا۔ تاکہ مسلمان زعماء اور حکومتیں اس پر گہرائی سے غور کر سکیں۔ مرزائی مذہب اب اسلام کے لئے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اس کے بدنما چہرہ سے نقاب الگ کی جا چکی ہے۔ اسلام اس قسم کے ارتدادانہ تحریکوں کا مقابلہ کرنے کی پوری سکت رکھتا ہے۔ لیکن ایک نیا خطرہ یہ ہے کہ قادیانی لیڈروں نے بین الاقوامی سیاست میں مسلم دشمن طاقتوں کو اپنی خدمات سپرد کر دی ہیں۔ سازش اور تخریبی کارروائیوں کا اس وقت بہت منفعت بخش پیشہ بن چکا ہے۔ اور مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے پردہ میں اپنے آدمی مقرر کرنا بہت آسان بات ہے۔

غیر مسلم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مرزائیت سے محض مذہبی تعصب کی بنا پر اختلاف رکھتے ہیں ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ تحریک اسلام دشمن طاقتوں کی حلیف اور مسلم ممالک میں ان طاقتوں کی سیاسی اور اقتصادی مفاد کی نگہبان بن چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے اور جس کا علم اب مسلمانوں کو ہو رہا ہے کہ قادیانیوں کی اخلاقی بے راہ روی سے مسلمان نوجوانوں کے اخلاق پر بھی بڑا اثر پڑ رہا ہے +

حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ
مہتمم مدرسہ عربی نجم المدارس، کلاچی

محترمہ بےنظیر بھٹو کی چھٹی

اور

قومی اسمبلی کا خاتمہ

ع عجب درد و راحت میں دل مبتلا ہے

ڈیڑھ پونے دو سال کے بعد بخار اتر گیا اور ملت اسلامیہ پاکستانیہ کو نسوانی حکومت سے نجات مل گئی۔ دراصل مستقبل کے حکمرانوں کے لئے بڑا ہی "تازیانہ عبرت" ہے ؎

وزارتوں کے مقدر پہ ناچنے والو
وزارتوں کا مقدر بدلتا رہتا ہے

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد ہے ؎

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

درحقیقت موجودہ انقلاب سے اہل بصیرت بلکہ ہر ذی ہوش مسلمان کو کم از کم درج ذیل عبرتیں حاصل کر لینی چاہئیں۔

عبرت اوّل | صدر مملکت نے اس اقدام کے بعد پہلی نشری تقریر میں واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ محترمہ کی حکومت ہر لحاظ سے ناکام رہی یعنی ؎

مدتوں فلسفی کی چنین وچناں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہاں رہی

ہمارے یقین میں محترمہ کی یہ ناکامی اس صدی کے مسلمانوں کے لئے عینی شہادت ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اس مبارک ارشاد کی کہ :-

" وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنا متولی امور کسی عورت کو بنالے "
خدا کرے پاکستان کا مسلمان اب بھی حقیقی ندامت محسوس کرلے اور آئندہ کے لئے ایسے ایمان سوز حرکات سے باز آجائے ۔

عبرت دوم | صدر مملکت نے اپنی اسی نشری تقریر میں فرمایا کہ پیپلز پارٹی کی واضح اکثریت تو نہیں تھی نیز یہ کہ محترمہ کے سوا بھی پارٹی کی کسی شخصیت کو حکومت سازی کی دعوت دینا ممکن تھا لیکن ....
یہ بھی یاد رہے کہ جمعیت علماء اسلام کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے اسلام اور علماء اسلام کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے ان سے بروقت یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عورت کو حکومت سازی کی دعوت نہ دیں لیکن ملک اور قوم کی بدقسمتی کہ انہوں نے سنی ان سنی کردی اور اب خود ہی اپنے اس کھیل پر عملاً پشیمانی کا اظہار کردیا ۔ لیکن بعد از خرابی بسیار صدر صاحب کا تو نیا تجربہ ہوا لیکن نتیجہ یہ کہ ملک کو خاک و خون میں تڑپا یا گیا ۔ مجاہدین و مہاجرین افغانستان کے سامنے ہزاروں مشکلات کھڑی کردی گئیں ۔ اور اندر سے بھی اور باہر سے بھی ملک کو تباہی کے کنارے کھڑا کر دیا گیا ۔ کیا محترمہ کے سارے خیر خواہ اور پیپلز پارٹی کو برسر اقتدار لانے والے اور خود صدر مملکت توبہ نصوح کئے بغیر اس کی دنیوی اور اخروی پاداش سے بچ سکیں گے قضیہ عدل کا تقاضا تو یہی ہے کہ ایسا نہیں ہو گا ۔

عبرت سوم | بے نظیر بھٹو اور اس کے زیر سایہ بہت سے برخود غلط لیڈر اور لیڈر انیاں یوں تو اسلام بالخصوص اسلامی سزاؤں کے خلاف بار بار بیانات دیتے رہے ۔ آخر میں ایک بار پھر بڑی بے پرواہی سے بول پڑیں کہ ہاتھ کاٹنے اور کان کاٹنے کی سزا کو میں نامناسب سمجھتی ہوں ۔ یعنی قرآن کریم کے نصوص صریحہ کے خلاف اس قسم کے کھلے اعلان کے باوجود میں مسلمان بھی ہوں اور مسلمانوں کی سربراہ بھی — رب رحیم ہزاروں گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں لیکن دعوی اسلام کے ساتھ ساتھ کھل کر اسلام کا مذاق ایک ایسی گستاخی ہے جس کی پاداش میں اسے فوری طور پر اس قوت اور طاقت سے محروم کردیا گیا جس کے گھمنڈ پر وہ اسلام کے خلاف ناچنے لگی تھی ۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی

پاکستان کے مستقبل کے حکمرانوں کو اچھی طرح یہ نوٹ کرلینا چاہئے کہ جب بھی وہ اپنی عارضی اور فانی قوت اور طاقت کے گھمنڈ میں ایسا کرنے لگیں گے انہیں دنیا کی ذلت بھی اٹھانی پڑے گی یہی عادت اللہ ہے ع چونکہ از حد بگذری رسوا کند　　ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا

عبرت چہارم | ہمارے ہی ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ۸۶ء کے مسلمہ فریقین ثالث کمشنر ڈیرہ کے عدالتی فیصلے
کے علی الرغم جس پر دو تین سال مسلسل عمل بھی ہو چکا تھا اور آسمان کا کوئی گوشہ نہیں پھٹا اس سال نوے میں
جب کہ اس نے اپنی حکومت کو مضبوط سمجھا جبر و تشدد کے ساتھ سنگینوں کی موجودگی میں اور ہوائی پہرہ کے
زیر سایہ تعزیہ کا جلوس متنازع بازار سے گذرا اندازہ ہے کہ فاروق شہید اور شاہ جہان شہید رحمۃ اللہ علیہم
کے ارواح طیبہ اپنے معصوم خون کا نذرانہ دے کر دربار الٰہی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا الٰہی ناموس صحابہؓ کا
کا صدقہ ان ظالموں سے خطۂ پاک کے مکینوں کو نجات عطا فرما ۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے

بادلوں نے راستہ دے دیا آہ قبول ہوئی اور آناً فاناً دشمنان صحابہ کو انہیں ہاتھوں سے ذلت اٹھانی
پڑی جن ہاتھوں نے انہیں ناجائز طریقہ اور تصریحات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے لاپرواہی کرتے
ہوئے ان کو امت مسلمہ اور عاشقان صحابہ کا یہ تخت دلوایا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
ہمارے مستقبل کے حکمرانوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھ لینی چاہئے کہ جب بھی وہ ایسی ناپاک کوشش کریں گے
انہیں خسر الدنیا والآخرہ ہونا پڑے گا۔

میں اس چار نکاتی تحریر کا ثواب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان
ذو النورین اور حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے واسطہ سے فاروق شہید اور شاہجہان شہید
کی نذر کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں۔ ع

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

دوسرا رخ — قومی اسمبلی کا خاتمہ

ایسی حالت میں جب کہ نفاذ شریعت کے لئے ایک بار پھر امت اسلامیہ پاکستانیہ کے جذبات انتہائی
عروج پر پہنچ چکے تھے مخالفین شریعت کے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی۔ اور چند ہی دنوں میں قومی اسمبلی
سے پرائیویٹ شریعت بل کی منظوری یقینی بنائی جا رہی تھی۔ کفر کا مسلّطہ آہنی اپنے انجام سے لرز رہا تھا۔
قومی اسمبلی کا خاتمہ ایسا حادثہ ہے جس پر شریعت محمدیہ کے چاہنے والے مدتوں خون کے آنسو بہاتے رہیں گے
اخبارات کے مطابق شریعت بل کے محرکین جناب قاضی عبداللطیف صاحب سینیٹر اور جناب مولانا
سمیع الحق صاحب سینیٹر نے صدر صاحب سے ملاقات کی اور ان کو توجہ بھی دلائی کہ قومی اسمبلی کے خاتمہ سے

نفاذ شریعت کے لئے پانچ سالہ محنت رایئگاں ہو جانے کا خطرہ ہے مگر افسوس کہ انہوں نے حسب سابق سنی اَن سنی کر دی۔ اور کابینہ کو توڑنے کے ساتھ ساتھ قومی اسمبلی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

بالائی طاقتیں خوش ہیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری اور حزب اختلاف کے وہ لیڈر جو کھلم کھلا غیر اسلامی ازموں کا پرچار کر رہے ہیں بغلیں بجا رہے ہیں کہ ایک طرف بے نظیر سے گلو خلاصی ہو ئی اور دوسری جانب اسلامی ازم (شریعت اسلامیہ) سے نجات مل گئی۔ ؎

رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت نہ گئی

شریعت بل کی مخالفت کرنے والی حکومت کا انجام سامنے ہے موجودہ حکمرانوں نے اس سے عبرت حاصل نہ کی تو ان کا انجام بھی خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہے گا ان سے بدلہ لے گا۔ بیرا پنی نگرانی ہیں کتنی تبدیلیوں پر مجبور رہوں گے۔ اور ملک وملت کے مفاد کے نام سے کتنے ہی آرڈر کرتے رہیں گے۔

اگر یہ نفاذ شریعت میں سچے ہیں تو انہیں اسلام کے مفاد میں جو کہ ملک وملت ہی کا مفاد ہے اور جو کہ خود ان کے ہی دین و دنیا کا مفاد ہے۔ نفاذ شریعت کا آرڈر بھی کر دیں اور پھر دیکھیں کہ شریعت محمدیہ کی عزت سے ان کے ملک کو ان کی حکومت کو خود ان کو اور پوری ملت اسلامیہ پاکستانیہ کو پوری دنیا میں عزت حاصل ہوتی ہے کہ نہیں۔

من کان یرید العزة فللہ العزة جمیعا — وللہ العزة ولرسولہ وللمومنین

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

عرصہ دراز تک غیر اسلامی آرڈر ہوتے رہے ہیں کاش کہ شریعت بل کے مطالبہ میں شریک ہونے والے موجودہ وزیر اعظم جتوئی صاحب اور شریعت بل کی سینیٹ میں منظوری پر اظہار مسرت کرنے والے صدر غلام اسحٰق صاحب اپنی سچائی کا ثبوت پیش کریں۔ اور پاک عدالتوں کو انگریز دشمن اسلام کے رائج کردہ قوانین کی غلاظت سے پاک کر کے دین و دنیا کی سرخروئی حاصل کر سکیں۔

اہل حق کی کڑی آزمائش افسوس صد افسوس کہ پاکستان نصف صدی سے جس دلدل میں پھنسا ہوا ہے اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے پھر اسی مہلک دوا اور ملک کی اسلامیت کے لئے اسی زہر ہلاہل کو تجویز کیا جا رہا ہے جس سے ملک بار بار ہلاکت کے کنارے تک پہنچا۔ مگر ۴۷ء تک اسلام ہی کی محبت میں جان ومال، آل واولاد اور عزت وآبرو کی قربانی دینے والوں کے صدقے بچتا رہا۔ یعنی بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب جس کے ذریعہ ہر وہ پاکستانی جو مقررہ عمر کے پیٹے میں ہو اور حلقہ انتخاب کا ووٹر ہو

نمائندگی کا اہل سمجھا جاوے گا۔ منتخب کرنے والے وہی عوام ہیں جنہوں نے ماضی قریب میں اپنے عقل و دانش دین و خرد اور ملک و مذہب سے وابستگی کا ثبوت معزول کردہ زنانہ حکومت کی صورت میں فراہم کیا گیا اس تھوڑے سے عرصہ میں ملک کے اسی ماحول میں پلنے پھولنے والے عقل و فراست کے اس معیار تک پہنچ گئے کہ اب وہ دوست و دشمن کی تمیز کر سکیں گے۔ ووٹوں کی خرید و فروخت کو خنزیر کا گوشت سمجھنے لگ جائیں گے۔ اقرباپروری، کنبہ نوازی، گروپ پرستی کے مقابلہ میں ملک و ملت کے مفاد کو پیش نظر رکھیں گے۔ کلا و حاشا یہ ایک مفروضہ ہے جسے کوئی بھی عقلمند باور نہیں کرے گا۔ جیتنے اور ہارنے والے سب کوئی فدغن نہ ہو۔ تو اسی قماش کے لوگ کیوں برسراقتدار نہیں آئیں گے۔ جو کل برسراقتدار تھے فرض کریں یہ شخصیات نہ سہی لیکن عوام کی موجودہ ذہنیت کی وجہ سے ان کا نعم البدل ہی کامیاب ہوں گے اور پھر وہ ملک کا اسی طرح تیا پانچا نہیں کریں گے جس طرح انہوں نے کیا۔

کیا ہر فاسق فاجر بھنگ نوش، چرس فروش ووٹوں کا عرصہ دراز سے خرید و فروخت کا بیوپاری اسلامی تشخصات سے بالکل عاری اسلامی قوانین کے بنیادی دفعات سے قطعاً ناواقف اور اسلامی قوانین کا مذاق اڑانے والے قسم کے لوگوں کا کسی اسلامی ملک کے قانون ساز اسمبلی (جن کی ذمہ داری اسلامی قوانین ہی کا نفاذ ہو) کی اہلیت قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی کسی نص صریح سے ثابت کی جا سکتی ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا یہ بدترین قسم کی دھاندلی اور اسلام اور اسلامی ملک کے ساتھ بھونڈا مذاق نہیں کہ ایسے لوگوں کا ایسی قانون ساز اسمبلی میں بھیجے جانے کا نہ صرف امکان بلکہ غالب گمان اور یقینی اذعان ہو۔ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر اس سے کم درجہ کی دھاندلی کے باعث اگر قومی اتحاد کا بائیکاٹ حق بجانب تھا اور اس میں اس بہانہ سازی کا کوئی جواز نہیں تھا کہ یہ لوگ یک طرفہ اسمبلی میں پہنچ جائیں گے اور ہماری آواز اسمبلی میں ختم ہو جائے گی اور پھر اس وقت اس یک طرفہ انتخاب کے نتیجہ کو تسلیم نہ کرنے کا اگر کوئی جواز تھا تو اسی طرح اگر شہید صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں غیر جماعتی انتخاب کا بائیکاٹ اگر ممکن تھا تو موجودہ حالت میں اسلام کے خلاف بدترین دھاندلی کے باعث بائیکاٹ کیوں جائز نہیں اور اس اسلام سے مذاق والی دھاندلی کے نتیجہ میں یک طرفہ انتخاب کے نتیجہ کو تسلیم نہ کرنے میں کونسی رکاوٹ ہے۔ اس کا جواب ہر اس جماعت کی ذمہ داری ہے جو دیانت سے ملک میں نفاذ شریعت اور اسلامی آئین و قوانین کے نام سے الیکشن میں حصے لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔
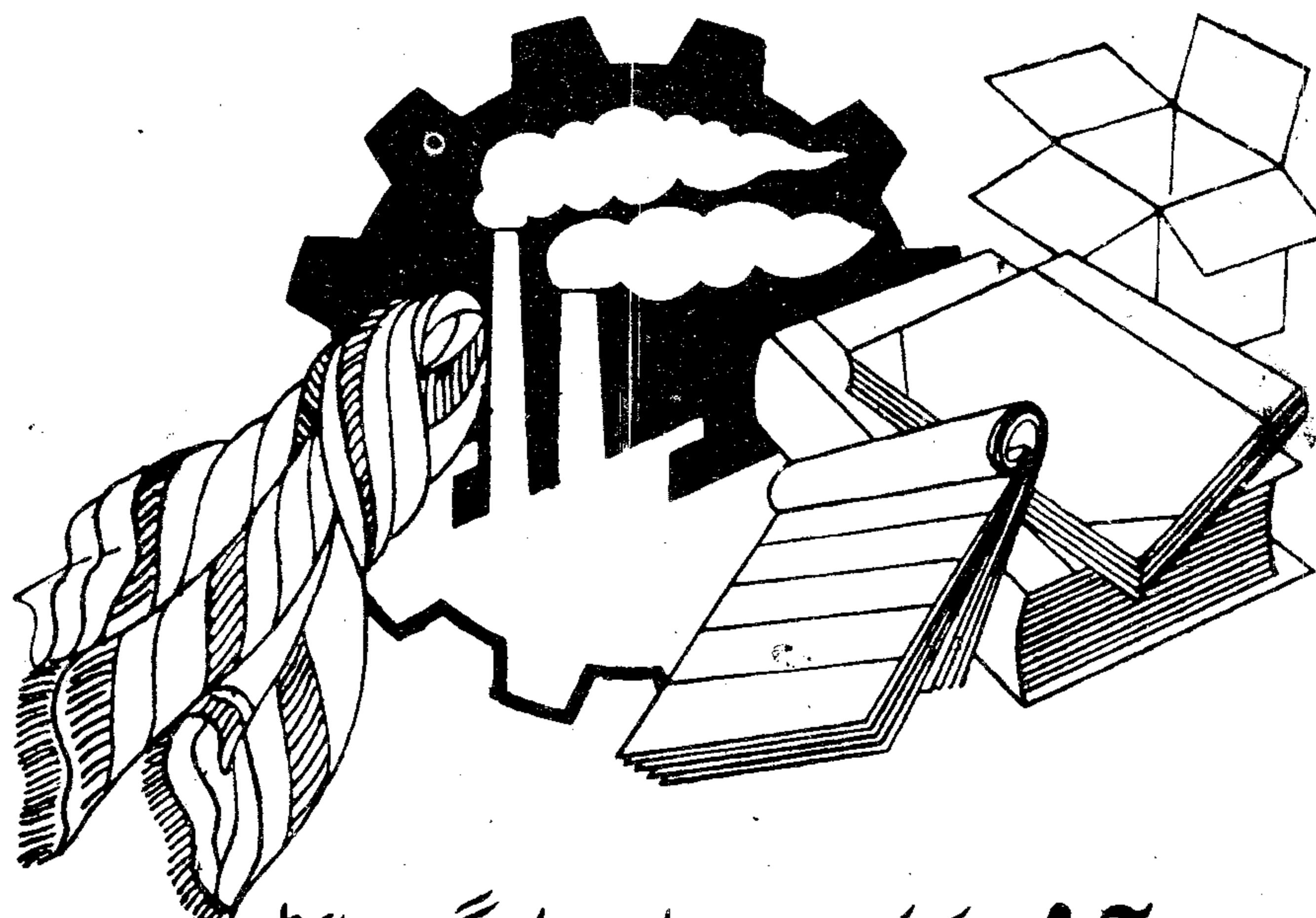
قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

گستاخ رسول کو عمر قید کی سزا کا حکم

لاہور ۱۹ جولائی - پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک گستاخ رسولؐ کو عمر قید کی سزا کا حکم سنایا گیا ہے یہ حکم تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ کی ترمیمی ذیل ۲ اور ۳ کے تحت لاہور کے ایڈیشنل سیشن جج حکیم سید اختر ارشد نے کل سنایا۔ گستاخ رسولؐ سلمان رشدی کو گستاخی رسولؐ کی سزا دینے کے لئے حکومت نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں ترمیم کر کے اس کی نئی مدت مقرر کی تھی۔ سلمان رشدی ابھی تک قابو نہیں آسکا۔ مگر پاکستان کے ایک گستاخ رسولؐ کو اس ترمیمی دفعہ کے تحت عمر قید کی سزا کا حکم سنایا گیا ہے۔

راوی روڈ پولیس نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو راوی روڈ کی مسجد نورانی قلعہ محمدی کے خطیب مولانا عبدالرشید انصاری کی رپورٹ پر اس علاقے کے محمد اکرم عربی کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ کے تحت مقدمہ درج کیا تھا جس میں ملزم پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ اس قسم کے پمفلٹ شائع کرتا ہے جو گستاخی رسولؐ کے زمرے میں آتے ہیں وہ اپنی تقاریر میں بھی شان رسول میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے اور اس نے کلمہ طیبہ میں "اکرم عربی" کے لفظ کا اضافہ کر لیا ہے۔

راوی روڈ پولیس نے ملزم کو گرفتار کر کے اس کا چالان عدالت میں پیش کر دیا جہاں استغاثہ کی طرف سے مولانا عبدالرشید انصاری خطیب نورانی مسجد۔ مولانا عبدالمجید خطیب مدینہ مسجد جنرل بس سٹینڈ بادامی باغ اور مولانا قاری محمد الطاف ربانی خطیب جامع مسجد مشہر مارکیٹ اور دوسرے گواہ پیش ہوئے جنہوں نے استغاثہ کی تائید کی۔

فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ملزم کے خلاف یہ الزام ثابت ہو گیا ہے کہ وہ ایسے پمفلٹ شائع کر کے ان کو تقسیم کرتا ہے جس سے گستاخی رسول کا پہلو نکلتا ہے اور اس سے پاکستان کے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے

مدعی حکیم عبدالرشید نے شہادتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ ملزم کئی ناموں سے اس قسم کے پمفلٹ شائع اور تقسیم کرتا رہا ہے جس سے گستاخی رسول کا پہلو نکلتا ہے۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ مدعی نے تھانہ راوی روڈ میں ۸ راگست ۱۹۸۸ء کو رپورٹ درج کرائی مگر انہوں نے یہ مقدمہ ۱۳ راکتوبر ۱۹۸۸ء کو درج کیا اور دوران تفتیش مولانا عبدالرشید انصاری نے پولیس کو وہ تمام پمفلٹ دیئے جو اس نے اپنے اور مختلف ناموں سے شائع کئے تھے۔ اس طرح دوسرے علماء نے بھی وہ کتابیں اور پمفلٹ پیش کئے جن سے گستاخ رسول کا پہلو نکلتا تھا۔ فاضل جج نے لکھا کہ ملزم کے بارے میں گواہوں نے بتایا کہ اس نے کئی دینی ادارے قائم کر رکھے تھے جن میں محمڈن طبی اوپن یونیورسٹی بنوائی۔ یونیورسٹی میں مدرسۃ القرآن بھی تھا۔ جہاں ملزم وعظ میں وہی باتیں کرتا تھا جو وہ اپنی کتابوں اور پمفلٹ میں کرتا تھا۔ وہ ایک پریس کا بھی مالک ہے جہاں وہ یہ کتابیں اور پمفلٹ شائع کرتا تھا۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ مزید الزام ثابت ہوگیا ہے کہ وہ جہاں گستاخی رسول کا مرتکب ہوتا رہا ہے وہاں اس نے قرآنی آیات میں بھی ترامیم کیں اور ایک انسانی فلسفے کو اسلامی فلسفے کا نام دیا جس سے پاکستان کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں اس لئے ملزم کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵، الف کے تحت عمر قید اور دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت دس ہزار روپے جرمانے کی سزا کا حکم سنایا جاتا ہے (مولانا عبدالرشید انصاری)

افغان قیادت کے لئے آزمائش کا سنگین مرحلہ!

افغان مجاہدین گذشتہ دس سال سے زیادہ عرصہ سے حد درجہ پامردی، شجاعت اور استقامت کے ساتھ سوویت کٹھ پتلی حکومت کے خلاف برسرپیکار رہیں۔ افغان مجاہدین نے جس وقت روسی اژدھے اور سوویت جارحیت کے خلاف تحریک آزادی کے لئے جہاد کا آغاز کیا تو ان کے پاس جدید فوجی اسلحہ کے نام کی کوئی چیز تھی اور نہ وہ میدان جنگ کی فوجی تربیت جانتے تھے۔ مگر انہوں نے محض ایمانی قوت، اور اللہ کی نصرت پر انحصار کرتے ہوئے ایک سپر پاور سے ٹکرا گئے۔

ابتداء میں تنہا تھے کوئی ان کا ساتھی نہ تھا مگر خدا کا فضل شامل حال رہا۔ وہ روس جیسی سپر پاور کو افغانستان میں لوہے کے چنے چبوانے پر کامیاب ہوئے۔ مگر جونہی سوویت شکست کے آثار ظاہر ہوئے، ازاں بعد جنیوا معاہدہ سے لے کر تا ہنوز افغان مجاہدین کی تحریک مزاحمت میں مغربی ممالک کی دلچسپی مسلسل کم ہوتی جارہی ہے کہ افغانستان میں ایک ٹھیٹھ اسلامی حکومت کے قیام سے امریکہ اور سوویت یونین دونوں الرجک ہیں۔

اب خلیج میں ایک نئے اور آتش فشاں بحران نے جنم لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے آثار جہاد افغانستان پر

پڑتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ افغان مجاہدین کی رہائش اور خوراک کی ضروریات کا ایک بہت بڑا حصہ سعودی عرب اور کویت کی امداد سے پورا ہوتا رہا ہے۔ کویت پر عراقی جارحیت سے خلیج میں جس سنگین بحران نے سر اٹھایا ہے اس کے پیش نظر ظاہر ہے کہ اب کویت تو کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہا۔ سعودی عرب بھی اپنی سلامتی اور استحکام کے انتظامات کو اولیں ترجیح دے رہا ہے۔ امریکہ سمیت مغربی ممالک اسلامی حکومت کے آثار دیکھ کر پہلے سے دست کش ہو چکے ہیں۔

تازہ ترین بین الاقوامی صورت حال کے پیش نظر افغان قیادت کو بڑے حزم و احتیاط، تدبیر و حکمت سے کام لے کر فوری طور پر اپنے مستقبل کی حکمت عملی طے کر لینی چاہیئے۔ موجودہ حالات عالم اسلام کے لئے بالعموم، بالخصوص افغان قیادت کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ افغان قیادت کو باہمی رنجشیں اور اختلافات بھلا کر بنیان مرصوص بن جانا چاہیئے۔ (عبدالصادق آفریدی)

حکومت کا حقدار کون

انتخابات کی قربت اور ملک و ملت کی مستقبل کی تقدیر اور انقلاب کی مناسبت سے عامۃ الناس (جن کے ہاتھ میں مستقبل کا فیصلہ ہے) سے یہی گذارش ہے کہ انتخابات کے ایام میں اپنے قیمتی ووٹ استعمال کرتے وقت دیانت، قوم و ملت سے وفاداری، اخلاقی کردار، اور اسلامی معیار کو ملحوظ رکھا جائے گروپ بندی پارٹی بازی اور برادری ازم کو مدنظر رکھا گیا تو پھر نتائج وہی نکلیں گے جو سابقہ انتخابات سے حاصل ہوئے تھے ہماری سیاست میں برادری ازم، گروپ بندی، نسلی اور لسانی اور علاقائی تعصبات نے جو زہر گھولا ہے اس کا مشاہدہ گذشتہ انتخابات اور ثمرہ گذشتہ ادوار میں دیکھ چکے ہیں۔ انہی عناصر نے سیاست کو کاروبار بنانے، دولتوں اور ارکان اسمبلی کی خرید و فروخت کے رجحان کی حوصلہ افزائی میں نمایاں کردار ادا کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخلص سیاسی کارکنوں، قومی اور ملکی سطح کی سوچ رکھنے والے ورکروں اور اسلامی انقلاب کی آرزو رکھنے والے نوجوانوں میں بد دلی پھیلی اور جماعتی قیادتیں آسانی کے ساتھ ان لسانی، نسلی، گروہی اور برادری کی بنیادوں پر منتخب ہونے والے افراد کی بلیک میلنگ کا شکار رہتی رہی۔ سیاست میں مسلسل بدعنوانیوں کو فروغ ملا اور تعصبات کی وجہ سے قومی یکجہتی اور خود سیاسی جماعتوں میں بھی اتحاد، نظم و ضبط اور اصول پرستی کو شدید دھچکا لگا۔ لہٰذا سیاسی قیادت کو اب ایسے امیدوار کھڑے کرنے چاہئیں جن میں اسلام پسندی اور اسلامی انقلاب کے جذبات اور اسلامی اعمال سے لگاؤ اور محبت کے اثرات نمایاں ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اے ابوبکر حکومت اس کے لئے ہے جو اس سے بے رغبت ہو نہ کہ اس کے لئے جو اس پر ٹوٹا پڑتا ہو
اس کے لئے ہے جو اس سے بچنے کی کوشش کرے نہ کہ اس کے لئے جو اس پر جھپٹے۔ اس کے لئے ہے جس سے کہا
جائے کہ یہ تیرا حق ہے نہ کہ اس کے لئے جو خود کہے کہ یہ میرا حق ہے"
(امارت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق کے استفسار پر رسول ؐ کا جواب)
جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔
کہا گیا یا رسول اللہ! امانت ضائع کرنا کسے کہتے ہیں؟
فرمایا! جب امر حکومت اور سرداری نااہلوں کے سپرد کی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو۔
بخاری۔ روایت ابوہریرہ (عبدالوحید اشرفی)

عورت، ثقافت، وزارت اور اقتدار

جو دین عورت کو مردوں سے بات چیت کرنے کی بھی بضرورت اجازت دیتا ہے پھر اس پر یہ پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ وہ لوچدار اور بے تکلفی کا لب و لہجہ اختیار نہ کرے، اس کی آواز تو رہی ایک طرف، اس کے زیورات تک کی آواز، مردوں کے کانوں تک نہ پہنچے۔ وہ دین یہ بات کیونکر برداشت کرسکتا ہے کہ عورت ساق وسینہ کی عریانی کے ساتھ شوخ و شنگ اور بھڑکیلے لباس زیب تن کرکے مخلوط سوسائٹی میں ناز نخرے دکھائے اسٹیج کی زینت بن کر "ثقافت" کی آڑ میں عریاں یا نیم عریاں حالت میں رقص کرے اور جسم کے خدوخال کو اس طرح نمایاں کرے کہ مردوں کے دل و دماغ نارِ شہوت سے بھڑک اٹھیں۔ فحش اور مخرب اخلاق گیت گاکر لوگوں کے سفلی جذبات کو آگ لگا دے۔ شہوت انگیز ایکٹنگ سیکھ کر مخلوط سوسائٹی کے ڈراموں میں حصہ لے۔ لوگوں کے دل لبھانے والی "تربیت" پاکر ہوائی میزبان بنے، بدن کے تمام نشیب و فراز کو مہین اور باریک لباس کی سطح پر اجاگر کرکے "کلچرل پروگراموں" میں کسی کی بیوی بن کر اور کسی کی بیٹی بن کر، کسی کی محبوبہ بن کر اور کسی کی داشتہ بن کر ناز فروشی کرے۔ آخر یہ "ثقافت" یہ "کلچر" اور یہ "تمدن" کس قرآن سے برآمد کیا جارہا ہے۔ خدا کی کتاب تو کسی ایسی بے حیا، ایمان سوز اور مخرب اخلاق ثقافت کی قطعاً روادار نہیں ہے۔ کسی کو اگر فرنگی تہذیب کی تقلید کرنی ہی ہے تو وہ شوق سے کرے۔ مگر اسے قرآن کا نام لے کر وہ چال چلن اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جو مزاج اسلام اور روح قرآن سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔

اسلامی تعلیم کا یہ پیغام سامنے ہے اور موجودہ حالات میں عورت کو انتخابات، سیاست، اسمبلی، وزارت اقتدار کے بازار میں لاکر رسوا اور ذلیل کیا جائے نہ تو اسلامی تعلیم سے مطابقت رکھتا ہے نہ اخلاقی اقدار سے

اور نہ انسانی اطوار سے، لہٰذا وہ لوگ کان کھول کر سن لیں جو ایک بار پھر ملک پر عورت کی حکومت مسلط کرنا چاہتے ہیں وہ قوم و ملت کے تقدیر سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ (غازی رحمٰن)

پنجاب کے جیل خانہ جات میں تعلیم قرآن کا اہتمام

گذشتہ سے پیوستہ رسالہ میں آپ نے سعودی عرب میں حفظ قرآن کرنے پر سزاؤں میں تخفیف کے فیصلہ پہ شذرہ تحریر فرمایا تھا۔

۱۔ آپ خوش ہوں گے کہ حکومت پنجاب نے بھی جیل میں قرآن کریم حفظ کر لینے پر چھ ماہ سزا معاف کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس ضمن میں بندہ کی کوششوں کی کیا حقیقت ہے محض فضل اللہ سے ہے آپ کی اطلاع کے لئے سرکلر کی کاپی منسلک کر رہا ہوں۔

۲۔ گذشتہ سال کا گوشوارہ جیل خانہ جات بھی منسلک کر رہا ہوں، ہم جو کچھ کر سکتے ہیں ملاحظہ فرما لیجئے۔ (جس میں اعداد و شمار کے لحاظ سے تفصیل سے کامیاب مساعی کا تذکرہ ہے)

۳۔ اس امر پر افسوس ہے کہ اصولی طور پر اس خدمت کی افادیت تسلیم کر لینے کے باوصف **صوبہ سرحد کی حکومت** نے فیصلہ نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں متعلقہ وزرائے کرام، سیکرٹری امور داخلہ اور انسپکٹر جیل خانہ جات سے متعدد ملاقاتیں کر چکا ہوں اللہ کرے جلد فیصلہ کر دیں اور اس صوبہ میں بھی قرار واقعی خدمت کر سکوں۔

(حافظ نذر احمد تعلیم القرآن خط و کتابت سکول)

ماہنامہ "الہدیٰ" کا اجراء

جامعہ حنفیہ اشرف العلوم رجسٹرڈ ہرنولی تحصیل وضلع میانوالی کی طرف سے ایک علمی، دینی، اصلاحی مجلہ "الہدیٰ" ماہنامہ کا ماہ جنوری ۱۹۹۰ء سے اجراء ہو چکا ہے۔

تمام مسلمانوں سے پرزور اپیل ہے کہ وہ اس مذہبی پرچہ کا مفید مشوروں سے، بہترین مضامین بھیج کر، اور زیادہ سے زیادہ خریدار بنا کر تعاون کریں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

مولانا محمد یعقوب مہتمم اشرف العلوم
ہرنولی۔ میانوالی

بروقت - محفوظ - باکفایت

پی۔این۔ایس۔سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔این۔ایس۔سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC 2 88 PID - Islamabad

PARAGON

جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا (برطانیہ)

تربیتِ اولاد

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :-

یاایھا الذین امنوا قوآ انفسکم و اھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ (پ۲۸- سورہ تحریم ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ (دوزخ) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں

(مرح البحرین صنخ ۲۸ شیخ الہند اور حکیم الامت کے تراجم کا خلاصہ)

قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہمارے اسلاف رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے بتایا کہ اس آیت شریفہ کا حکم "فرض عین" ہے اور جہنم سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ خود بھی علم دین حاصل کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی صحیح دین کی تعلیم و تربیت کرے اور ادب سکھائے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو جانیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے مقاصد کا خلاصہ امت کی صحیح دینی تعلیم اور اعلیٰ ترین تربیت تھی اور آپ نے متواتر ۲۳ سال تک انہی دو کاموں کو انجام دیا یہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو تاکید کی اور تنبیہ فرمائی کہ

"تم سب نگہبان ہو اور (بروز قیامت) تم سب سے سوال کیا جائے گا اپنے ماتحتوں کے (دین کے) بارے میں!" (بخاری)

اگر خدانخواستہ اس سلسلہ میں غفلت برتی گئی جس کی وجہ سے اہل وعیال دین سے بے دین ہوگئے تو اس کے ذمہ دار والدین اور سرپرست بھی ہوں گے اور بروز قیامت ان سے بھی دریافت کیا جائے گا ماتحت لوگوں کے بارے میں، جیسا کہ اس حدیث پاک میں مذکور ہے۔ اور اگر خدانخواستہ اہل وعیال دین ہی سے خارج ہوگئے تو معاملہ اور بھی زیادہ سخت اور ہولناک ہوگا۔

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

"سورہ والعصر نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت دی ہے کہ ان کا صرف اپنا عمل قرآن و

سنت کے تابع کر لینا جتنا ضروری و اہم ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان و عملِ صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے۔ ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہو گا خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے بُرے اعمال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے اگرچہ خود وہ کیسے ہی اعمالِ صالحہ کا پابند ہو۔ اس لئے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی مقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کر دیا گیا ہے۔ اس معاملہ میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں۔ خود عمل کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں اس کی فکر نہیں کرتے۔" (ص)

حضرت والا نے یہ چند الفاظ بالکل صحیح اور سچ تحریر فرمائے ہیں۔ ہم دن رات یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ عوام کا تو کیا کہنا ہر قسم کے خواص (حاجی، نمازی، مولوی و مبلغ وغیرہ) اپنے اعمال صالحہ کی طرف پورے طور پر متوجہ رہتے ہیں لیکن اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت سے (نقفر یباً بلکہ مکمل) غافل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اولاد کو مغضوبین اور ضالین کے ایمان سوز اور زہریلے اور جانوروں سے بدتر بنانے والے اسکولوں اور کالجوں میں بھیجتے ہیں جن سے یہی دیندار حضرات اپنی نمازوں میں سورہ فاتحہ کی دعا کے ذریعہ پناہ چاہ رہے ہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۴۰۰ سو سال پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

"ہر بچہ فطرت (یعنی اسلامیت اور توحید) پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں الخ" (بخاری)

دوسری حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ (آج) اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔" (در منثور)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کی شریعت کے ضابطہ اور قانون و حکم کے مطابق تعلیم و تربیت نہیں کی تو (خدانخواستہ) دین سے خارج ہو جانے کا سخت خطرہ اور اندیشہ ہے۔ اور اس کا خمیازہ والدین اور سرپرستوں کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اولاد کا ایک نقشہ کھینچا ہے کہ جب انہیں عذاب کا حکم سنایا جائے گا تو وہ دربارِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ:۔

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا، سو انہوں نے ہم کو (سیدھے

راستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بُری لعنت کیجئے۔" (بیان القرآن ص ۵۱۴)

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس فرمانِ ربّی سے ڈریں کہ کہیں ان کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اہل و عیال دین سے خارج نہ ہو جائے جیسا کہ مندرجہ بالا دو حدیثوں میں مذکور ہے۔

اب رہا سوال عمرہ، نفل حج اور تبلیغ وغیرہ میں جانا۔ تو میں عرض کروں گا کہ ذرا اس بات پر توجہ دیں کہ ایک شخص عمرہ یا نفل حج یا تبلیغ میں جانے کے لئے مکمل تیاری کرلی۔ اور وہ اپنے مکان سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ خدا نخواستہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی۔ جہاں اہل و عیال اور ماتحت لوگ موجود ہیں۔ ایسے وقت میں کیا کوئی شخص عمرہ یا نفل حج یا تبلیغ کے لئے جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں سو ہزار نہیں بلکہ لاکھ میں بھی کوئی شخص ایسی حالت میں ان نیک کاموں کے لئے سفر نہیں کرے گا۔ حالانکہ یہ آگ دنیا کی آگ ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ لوگ جل کر ختم ہو جائیں گے۔ اگر یوں نہیں تو ہزاروں لاکھوں انسان بستروں اور ہسپتالوں میں روزانہ مرتے ہیں لیکن مندرجہ بالا شرح کی آیت شریفہ میں دنیا کی آگ کا نہیں بلکہ دوزخ و جہنم کی آگ کا ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

" تمہاری (دنیا کی یہ) آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے صرف ایک حصہ ہے"

(متفق علیہ عن ابی ہریرہؓ) اور فرمایا کہ:۔

" دوزخیوں میں سب سے کم عذاب جس کو ہوگا اس کا حال یہ ہوگا کہ اس کو دو جوتے اور دو تسمے آگ کے پہنا دیے جائیں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ مانند ہانڈی کے جوش مارے گا اور (اُسے) یہ معلوم ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کسی کو عذاب نہیں ہو رہا۔ حالانکہ اسے سب سے کم عذاب ہو رہا ہوگا (متفق علیہ عن نعمان بن بشیر)

اگر اہل و عیال کی صحیح اور ٹھوس اور بنیادی دینی تعلیم و تربیت نہیں کی گئی تو نہایت خطرہ اور اندیشہ ہے کہ جہنم رسید کر دیے جائیں اور ان کے ساتھ ساتھ سرپرست بھی اس کا خمیازہ بھگتیں گے اور آئے دن دیکھتے رہتے ہیں کہ ایسی نافرمان اولاد سے ماں باپ کو دنیا ہی میں کس قدر دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے حالانکہ یہ ان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ اب حالات اتنے تیزی سے خراب ہو رہے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔

اگر کوئی شخص عمرہ اور نفل حج میں نہ گیا تو کیا نقصان ہوگا۔ اگر کوئی مسجد بنانے، مدرسہ قائم کرنے میں اور دیگر نیکی کے کاموں میں ذاتی یا مالی حصہ نہ لے تو اس کا زیادہ سے زیادہ نقصان یہ ہوگا کہ ان کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے جو اجر و ثواب ہوتا اس سے محروم رہ جاتا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور گھر والوں

اور ماتحت لوگوں کے دین کی فکر نہ کرے اور اس کی وجہ سے وہ دین سے دور ہو جائے تو اس کا خمیازہ اس شخص کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

"جب ابن آدم مرتا ہے تو اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین اعمال کے۔

(۱) صدقہ جاریہ (یعنی مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ اور کنواں وغیرہ لوگوں کے فائدے کے لئے بنانا)

(۲) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے۔

(۳) صالح اور نیک بیٹا (اولاد) چھوڑ جائے جو اس کے لئے دعا مانگے۔ (چالیس حدیث ص۳۵ (۵۶۵)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اولاد اور گھر والوں کو جہنم سے بچانا ہر مسلمان پر فرض عین ہے جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام ہیں۔ مندرجہ بالا دیگر نیکی کے کام فرض کفایہ والے کام ہیں اور عمرہ و نفل حج کرنا تو فرض کفایہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ صرف نفل ہے۔ جس کے کرنے میں اجر و ثواب حاصل ہو گا اور نہ کرنے میں کوئی گرفت نہیں۔ البتہ فرائض (اولاد اور گھر والوں کو دینی فکر کر لینے) کے بعد ان کاموں کے کرنے کی پوری گنجائش ہے۔ حالانکہ بعض اکابرین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جہاں فرائض کے ادا کرنے کی ضرورت ہو اسے پہلے ادا کرے، پھر فرض کفایہ اور پھر نوافل۔

حضرت بشر حافیؒ نے ایک شخص کو جو اپنی حلال کمائی سے دو ہزار دینار جمع کر کے حج (نفل حج) کا ارادہ کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ :۔

"اے شخص! تو حج کا تماشہ دیکھنے کے لئے جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے؟
اس نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے حق تعالیٰ کی رضامندی ہی حاصل کرنی ہے تو جا اور دس فقیروں کا قرض ادا کر دے یا یہ رقم دس فقیروں کو دے دے یا پھر کسی ضرورت مند عیالدار کی مدد کر دے کیونکہ جو راحت اور آرام ان مسلمانوں کے دلوں کو پہنچے گا وہ فرض حج ادا کرنے کے بعد سو (نفل) حج سے زیادہ افضل ہے۔
اس نے کہا حضرت! اس وقت میرے دل میں (نفل) حج کی رغبت بہت زیادہ ہے۔ تو آپ نے فوراً فرمایا۔ کہ اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے کہ جو مال تو نے کمایا ہے وہ نیک ذریعوں سے نہیں کمایا اور جب تک وہ مال بے جگہ اور بے ضرورت تو خرچ نہیں کرے گا تیرے نفس کو قرار نہیں ہو گا۔"

حضرت امام غزالیؒ (جو بڑے حکیم تھے) لکھا ہے کہ ایک صاحب اپنے شیخ کے پاس گئے اور اپنے نفل حج پہ ثواب کی نیت سے جانے کا ارادہ ظاہر کیا، تو شیخ نے فرمایا:۔

"اگر تیری نیت ثواب حاصل کرنے کی ہے تو دیکھ! کئی لڑکیاں ایسی بیٹھی ہوئی ہیں جن کی شادی اس لئے نہیں ہو رہی کہ ان کے ماں باپ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ جا! ان کو وہ رقم دے دے جو تم نے حج کے لئے معین کر رکھی ہے۔ کئی آدمی ایسے ہیں جو اتنے مقروض ہیں کہ غربت کے مارے گھر سے نہیں نکلتے۔ تم ان کا قرض ادا کر دو۔ کئی مریض ایسے ہیں جن کے پاس دوا علاج کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ ان کو کچھ رقم دے آؤ"

وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد بولا حضرت! حج کا بڑا شوق ہو رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ سیاحی کا شوق ہے۔ ہوا خوری کا جی چاہ رہا ہے۔

اور میں (ابراہیم) تو یہ کہتا ہوں کہ کسی کو دینا نہ ہو تو نہ دے۔ خدارا اپنی اولاد کی طرف دیکھ۔ جو زہریلے اور ایمان سوز ماحول میں رہ کر جہنم کے کنارے کھڑے ہیں۔ ان پر رحم کر اور ان کی دینی تعلیم و تربیت پر اپنی رقم لگا دے جو تو نے دن رات محنت کر کے کمائی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث کا مفہوم ہے:۔

"جب آیت شریفہ وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریب کے کنبہ والوں کو ڈرائیے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرابت داروں کے ایک ایک کا نام لے کر فرمایا:۔

"اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (یعنی ایمان قبول کرو۔ اور نیک عمل کرو) تاکہ دوزخ سے نجات پا سکو" (مظاہر حق صـ ۵۴،۵۳)

Safety
instant milk
INSTANT WHOLE MILK POWDER
EXTRA VITAMINS A AND D

... ستمبر ... وفات کی مناسبت سے

مولانا رضاء الحق۔ مدرس دارالعلوم زکریا۔ جوہانسبرگ

رثاء فضیلة الشیخ مولانا عبدالحقؒ

نُجبتُ کئیبا ولکن بمن　　　بشیخ نبیل وشمس الزمن

میں غمزدہ ہو کر رو دیا کیا آپ جانتے ہیں کس پر؟　　　ایک بلند پایہ شیخ اور زمانے کے سورج کی وفات پر

و بدر منیر و بحرٍ کبیر　　　و حبرٍ خبیرٍ زعیم اللسن

چودھویں کے روشن چاند اور علم کے سمندر پر نیک محقق　　　عالم دریائے فصاحت کے شناوروں کے پیشوا پر رو دیا

فخلق کریم و فیض عمیم　　　و علم فخیم جمیل البدن

ان کے اخلاق کریمانہ اور فیض عام پر　　　اور عظیم علم کے ساتھ حسن و جمال کے پیکر پر

و غاب الذکاء فهذا البلاء　　　لربي قضاء أشد المحن

علم کا سورج غروب ہوا اور یہ مصیبت ہمارے لئے　　　سخت تکلیف دہ و محنت کا باعث بنی مگر رب عظیم کی طرف سے مقدر تھی

وفاق الزمان بعلم و حلم　　　وعزم و عِظم و هدی حسن

وہ اہلِ زمانہ سے علم اور حلم ہمت و عظمت　　　اخلاق حسنہ میں ممتاز و فائق تھے

همام فقیه و شیخ کریم　　　ففی روضة الجنة قد دُفن

وہ سردار فقیہ اور شرافت والے شیخ تھے　　　پس جنت کے باغیچے میں دفنا دیئے گئے

فتبلیغ دین و تدریس علم　　　اضاء الظلام أنار المدن

دین کی تبلیغ اور علم کی تدریس ان کا مشن تھا　　　انہوں نے اندھیروں کو روشن اور شہروں کو روشن کیا

و بث العلوم انار النجوم　　　وافنی الحیات علی ذا المنون

انہوں نے علوم کو پھیلایا ستاروں کو چمکایا　　　اور اپنی حیات مستعار کو اسی راہ میں خرچ کیا

خضوعا و علامة فی البرایا　　　فوالله کان بذاك قمن

وہ متواضع اور مخلوق میں علامہ تھے　　　بخدا وہ اس صفت کے لائق اور مستحق تھے

شکورا علی أنعم کل حینٍ　　　مطیعًا لهدی نبی السنن

وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شاکر تھے　　　سنتوں والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے پابند تھے

توفّی بدیوبند کهف البرایا رضیع اللبان بذاك اللبن

انہوں نے دیوبند میں جو سب لوگوں کی پناہ گاہ ہے تربیت پائی تھی دیوبند کے سینے سے انہوں نے دودھ پیا تھا

حبیب القلوب طبیب العیوب مزیل الریوب وجید ضنن

وہ دلوں کے محبوب عیبوں کے طبیب ۔ شکوک و شبہات کو کافور کرنے والے خوش شغل اور بہادر تھے

و دافع عن حِصْن دین متین ففی قبره ضیغم مُستکن

انہوں نے دین کے قلعے کا دفاع کیا اب وہ اپنی قبر میں شیر کی طرح سکونت پذیر ہیں

وحازالمکارم من کل نوعٍ فعلم وسیع و تقویً ز کن

انہوں نے ہر قسم کے کمالات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا ان کا علم وسیع اور تقوٰی معروف تھا

بأقلیمنا کان سدّاً منیعا لیاجوج شرٍّ بنا مقترن

مرحوم ہمارے صوبہ میں شر و فساد کے ان یاجوج کے لیے جو ہمارے درپے ہیں محکم دیوار تھے

وعبد مضاف الی الحق حقاً فاظهر حقّ الورٰی فی العلَنْ

یہ بالکل درست ہے کہ یہ عبدحق کی طرف منسوب ہے اسی لئے تو لوگوں کے حقوق کی آواز "اسمبلی" میں بلند کی

وشیخ الحدیث و فرد فرید لا فواج ضرٍ وجهل زبنْ

وہ شیخ الحدیث اور یگانہ موتی تھے جہل اور دین کو ضرر پہنچانے والی افواج کو دفع کرکے شکست دی

و بیّن دوماً لطیف النکاتِ و ودّعنا فی بکاءٍ مُحِنٌ

وہ ہمیشہ لطیف اور باریک نکات بیان فرماتے تھے انہوں نے پُر مشقت گریہ میں ہمیں چھوڑا

عضضتُ الانامل لیلا نهارا وفاتک وعظ لانسٍ و جنّ

آپ کی وفات پر دن رات میں نے ازراہ افسوس انگلیاں کاٹیں آپ کی وفات انس و جن سب کے لئے وعظ و عبرت ہے

فللحق عبدٌ و للدین جُندٌ و للقلب بردٌ فخارالوطن

پس وہ حق کے بندے اور دین کا لشکر اور دل کی ٹھنڈک اور وطن کے لئے قابلِ فخر تھے

و للعلم شمس و للحلم نَقْش وللسلم رقش أزاحَ الجُبن

وہ علم کا آفتاب اور صبر کی زینت اور شریعت کی سجاوٹ تھے اور بزدلی کو کافور کر دیا

ازال أباطیل کل غویٍ و ألقیٰ أغالیطهم فی الدمن

انہوں نے ہر گمراہ کی بکواس کو مٹایا اور ان کے مغالطات اور شبہات کو کوڑا خانے میں ڈالا

وجلّی القلوب بشرح الحدیث وذکر نکات غوالی الثمن

انہوں نے دلوں کو حدیث کی تشریح اور بیش بہا نکات کے بیان سے جلابخشی

وروّجت فضلاً وعلماً عمیقاً وحبرت أرضا عقیق الیمن

آپ نے فضل وکمال اور گہرے علم کو رواج دیا اور آپ نے زمین کو اے یمن کے عقیق مزین فرمایا

وقد کنت شمساً تضیئ الزمان ولیثا ملاذا لدفع الفتن

آپ یقیناً زمانے کو روشن کرنے والے سورج تھے اور فتنوں کے دفاع کے لئے بہادر اور شیر اور سردار تھے

وصلت الی ذروۃ کل فنّ برعت قدیرا علی کل فن

آپ ہر علم کی چوٹی پر پہنچے ہوئے تھے آپ ہم عصروں پر فائق اور ہر فن کے حل پر قادر تھے

فیا ربّ ادخلہ دار السلام وانزل علیہ سجال المنن

پس اے رب ان کو دارالسلام میں داخل فرما اور ان پر انعامات کا بڑا ڈول نازل فرما

وادعو الکریم سؤلا خضوعاً

میں رب کریم سے عاجزانہ دعا کرتا ہوں

بکرم مثواہ وسط الورن

کہ جنت میں ان کا ٹھکانہ بہتر اور عمدہ کرے

بقیہ - اسلام امریکہ اور ---

ایک اور فلسطینی ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے استاذ ڈاکٹر وحید خالدی نے کہا کہ یہ بڑا خطرناک حادثہ ہوگا ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۷ء کے حادثات کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کو اہمیت نہ دینا اور اس پر خاموش رہنا [...]صحیح نہیں ہوگا۔

روس کے پندرہ لاکھ یہودیوں کے اسرائیل کے اندر آبادکاری کے منصوبہ کا اثر اسحاق شامیر کے [...]ں میں ظاہر ہوا۔ کہ وہ ، دوسری چھوٹی چھوٹی انتہائی متعصب پارٹیوں سے مل کر نئی حکومت تشکیل دینے میں [...]کامیاب ہوگئے۔ اس طرح پچھلے تین مہینوں سے جاری اسرائیل کا سیاسی بحران بظاہر ختم ہوگیا۔ نئی حکومت نے [...]فلسطینیوں کے بارے میں مزید سخت رویہ اپنانے کا اعلان کیا ہے۔ اور صلح کے تمام امکانات رد کردیے ہیں [...]بکہ یہ حکومت اپنے داخلی تضادات کے ساتھ کب تک باقی رہے گی کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ جس نشست میں [...]ئی حکومت کے متفقہ پروگرام پر دستخط کئے گئے۔ اسرائیلی ریڈیو کے ایک تبصرہ نگار نے اسے "پاگل خانہ" سے [...]تشبیہ دی ہے۔ اور اسرائیلی اخبارات نئی حکومت کے سخت موقف کو اسرائیل کے لئے نامناسب اور اس [...]قوم کے لئے دھماکہ خیز قرار دے رہے ہیں۔
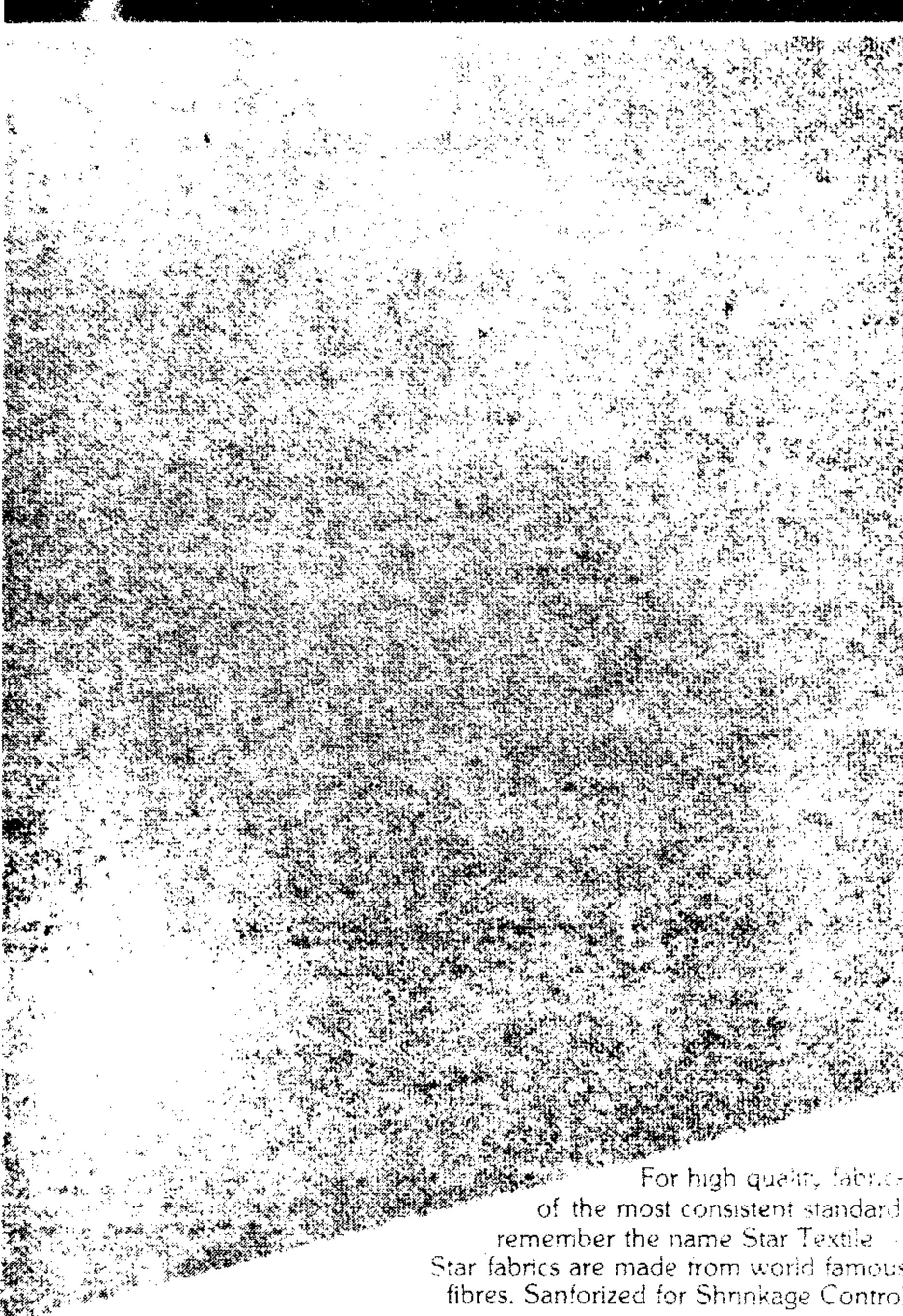
WE'VE DEVELOPED FABRICS WITH SUCH LASTING QUALITY AND STYLE THAT THERES ONLY ONE WORD FOR IT

Star

For high quality fabrics of the most consistent standard remember the name Star Textile. Star fabrics are made from world famous fibres. Sanforized for Shrinkage Control.

For the most comfortable and attractive shirting and shalwar qameez suits, look for the colour of your choice in Star's magnificent Shangrila, Robin, Senator fabrics

SANFORIZED
REGISTERED TRADE MARK
OF CLUETT PEABODY & CO. INC.

... THE ESSENCE OF STYLE AND TOTAL COMFORT!

Star Textile Mills Limited Karachi

مولانا عبدالقیوم حقانی

تبصرہ کتب
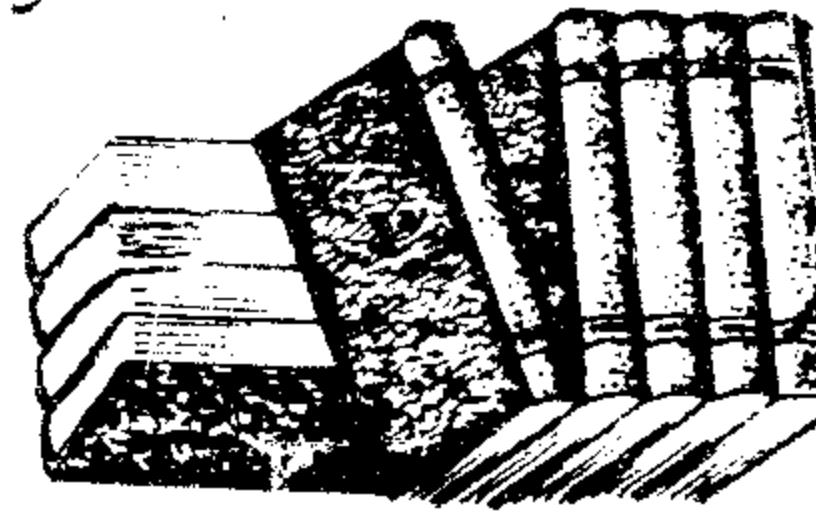
درس قرآن مجید | مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب زاد مجدہم ۔ ترتیب :۔ محمد عثمان غنی بی اے

صفحات ۔ پہلا حصہ ۲۲۴ ۔ دوسرا حصہ ۲۲۸ ۔ تیسرا حصہ ۲۲۴ ۔ چوتھا ۲۵۶ ۔ پانچواں حصہ ۲۴۰

چھٹا حصہ ۲۴۴ ۔ ساتواں حصہ ۳۵۲ ۔ قیمت مکمل سیٹ ۱۳۵ روپے ۔ پتہ : دارالارشاد ، مدنی روڈ ۔ اٹک شہر

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے شاگرد اور حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کی فیض رساں شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ وعظ و تلقین اور درس و تدریس علماء حقہ کی روح اور غذا کا درجہ رکھتے ہیں ۔ وہ علوم و معارف کو لٹا کر سرخرو اور شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں ۔

حضرت قاضی صاحب اپنے اسلاف اکابر کی طرز پر ملک کے مختلف مقامات پر درس قرآن و حدیث دیتے ہیں ۔ آپ کے حلقۂ دروس میں انوار القرآن لالہ رُخ ، واہ آرڈیننس فیکٹری ، واہ کینٹ کا درس اس اعتبار سے ممتاز اور منفرد ہے کہ ۶۴ء سے شروع ہو کر روز بروز ترقی پذیر ہے اور اس کی کئی ایک شاخیں قائم ہو چکی ہیں ۔ یہ درس ہر انگریزی ماہ کے آخری اتوار اور رات جمعہ کو ہوتا ہے ۔ اس علمی سرمایہ کو ٹیپ کی مدد سے نقل کر کے کتابی شکل دی جا رہی ہے جس کی بحمد اللہ ۲۵ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں جن میں سے ۱۰ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور باقی پر کام جاری ہے

یہ درس عوام و خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے چونکہ یہ عوامی درس ہے اور مقصد وعظ و تذکیر ہوتا ہے اس لئے اس میں علمی مباحث کم ہوتے مگر کوشش یہ کی گئی ہے کہ ارشادات الٰہیہ کو عام فہم انداز میں پیش کیا جائے و رسبق پڑھانے کے انداز میں بعض جگہ ایک بات کو دہرایا بھی گیا ہے اگرچہ یہ تصنیفی رنگ نہیں مگر تدریس میں یہ انداز بے حد مفید ثابت ہوا ہے کہ کم استعداد والے بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں ۔

ہمارے خیال میں ان علوم و فیوض کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو اور ائمہ و خطباء حضرات اور دینی و ملی انجمنوں کے احباب نہ صرف خود ان کا مطالعہ کریں بلکہ ان کے عمومی درس و تدریس کا انتظام کریں جس سے انشاء اللہ امت کی علمی ، عملی ، اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اکابر علماء حقہ کے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے گا ۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس گراں قدر سرمایہ کی قدر دانی کریں گے ۔